مدیر حافظ طاہر اسلام عسکری

www.KitaboSunnat.com

سہ ماہی مجلّہ نظریات لاہور

جنوری تا مارچ 2013ء

1

ہماری رائے میں حاملین حق کی اولین ترجیح یہ ہونا چاہیے کہ تہذیب مغرب اور اس کی فکری بنیادوں کو نقد و تحقیق کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں یوں آشکار کیا جائے کہ اس کا قصرِ فلک بوس منہدم ہو کر رہ جائے۔ عصر حاضر کی یہ بے خدا تہذیب سرمایہ دارانہ علمیت پر اساس پذیر ہے؛ چناں چہ اس کا گہرا اور ناقدانہ مطالعہ کرتے ہوئے اس حقیقت کو بے نقاب کرنے کی ضرورت ہے کہ 'پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود' کے مصداق اس کی بنیادیں قطعاً کھوکھلی ہیں، جو ہرگز کسی صحت مند معاشرے کے قیام کی ضامن نہیں ہو سکتیں۔ (نظرات)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

سہ ماہی

نظریات

انصرام

طیب بن خالد

صورت گری

علی رضا

خط بافی

شمیم خان

حروف بینی

ابوسہل

زر تعاون

فی شمارہ: 70 روپے

سالانہ: اندرونِ ملک: عام ڈاک سے 250 روپے، رجسٹرڈ/کوریئر سے: 400 روپے

بھارت: 600 روپے، یورپ/امریکا، مشرق وسطیٰ: 30 امریکی ڈالر

ضابطہ

نگارشات کے نفسِ مضمون کی ذمہ داری کلیتاً لکھنے والوں پر ہے؛ ان کی آرا کو ادارے کا موقف نہ سمجھا جائے۔

رابطہ

ای میل: tahiraskari@yahoo.com

ادارت: 0321-8654067، سرکولیشن: 0321-4548529

خط کتابت: ادارہ بحث وتحقیق، گلی نمبر 1، سلمان پارک، بینک سٹاپ، 17 کلومیٹر فیروز پور روڈ، لاہور

ناشر

طاہر اسلام

طابع

شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

❖ مجلّہ 'نظریات' کے تمام ادارتی ممبران کی خدمات اعزازی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سہ ماہی مجلہ

نظریات

لاہور

جلد: 1، شمارہ: 1، جنوری تا مارچ 2013ء / صفر تا جمادی الاولیٰ 1434ھ

اہتمام: خالد لطیف عبدالحق

سرپرست

حافظ عبدالرحمن مدنی

نگران

مولانا محمد واسل واسطی

ادارت

- حافظ طاہر اسلام عسکری (مدیر)
- حافظ فہد اللہ مراد (مدیر منتظم)
- سید محمد علی (مدیر اعزازی)

مشاورت

- ڈاکٹر خالد حمید قریشی
- ڈاکٹر حافظ محمد زبیر
- ملک کامران طاہر
- جواد حیدر

معاونت

- محمد حسن غازی
- گل زادہ شیر پاو
- نعیم الرحمن ناصف
- عبدالحنان کیلانی
- شفیق الرحمن

نظامت

- عبدالرؤف
- محمد شکیل ہاشمی
- محمد لیاقت
- شیخ محمد منیر
- محمد آصف

ادارہ بحث و تحقیق لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوِ فکری

تاریخ کی رصدگاہوں سے انسان کی داستانِ حیات کا مطالعہ کیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام تر حقیقت میں قصہ ابلیس و آدم ہی کا تسلسل ہے۔ تخلیق آدم کے ساتھ ہی ابلیس کے باطل پسندانہ رویے کی نمود ہوئی اور اس لمحے سے حق و باطل کی جس کش مکش کا آغاز ہوا، وہ تا ایں دم جاری ہے۔ تصادم و تزاحم کے انداز بدلتے رہے ہیں؛ لیکن خیر و شر کی آویزش کا سلسلہ کسی آن منقطع نہیں ہوا:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

یہ معرکہ آرائی فکر و نظر کے میدان میں بھی ہے اور جنگ و قتال کے محاذوں پر بھی؛ لیکن موخرالذکر دراصل مقدم الذکر ہی کا نتیجہ ہے؛ چناں چہ تقدم و اولیت اسی کو حاصل ہے۔ غزوِ فکری کے عہدِ موجود میں جو لوگ حق کو غالب کرنے کے آرزومند ہیں؛ ہماری دانست میں انھیں علمی و فکری سطح پر لازماً درج ذیل اقدامات کرنا ہوں گے:

سب سے پہلے قدم پر اسلام کے رخِ زیبا کو نکھار کر دنیا کے سامنے پیش کیا جائے؛ فکر و عقیدہ، فلسفہ و حکمت اور علوم و معارف کے جو بوقلموں دبستان ہمارے تہذیبی ورثے کی زینت ہیں، نہ صرف انھیں نظر و بصر کے سامنے لایا جائے، بل کہ اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ان میں قابل قدر اضافے کیے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ زمانے کی عمرانی و تمدنی کروٹوں کے نتیجے میں ابھرنے والے عملی مسائل کا تشفی آمیز حل بھی پیش کیا جائے اور اس کے لیے وحی و تنزیل کی ضیا پاشیوں سے کسبِ ضو کرتے ہوئے اجتہاد و استنباط کی تازہ کاریوں کو بھرپور طریقے سے بہ روے کار لایا جائے۔

دوسرے قدم پر ان اعتراضات و اشکالات سے تعرض کرنا ہوگا، جو تحقیق اور ری سرچ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پردے میں اربابِ استشراق اور دیگر گروہوں نے اُٹھائے ہیں اور جن کا مقصود محض یہ ہے کہ دامن اسلام کو داغ دار کیا جائے اور اسے دیگر بے جان مذہبوں اور فلسفوں کی مانند کارگہِ حیات میں کسی فعال کردار ادا کرنے سے روکا جاسکے۔ مستشرقین سے مرعوب ہوکر اسلام کی 'تعبیر وتشکیل جدید' کے درپے ہونے والے اربابِ تجدد کی موثر علمی تردید بھی ناگزیر ہے؛ مبادا آئینِ خداوندی بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے۔

اوپر جو کچھ کہا گیا، وہ مثبت اور دفاعی نوعیت کا ہے؛ تیسرے قدم پر حقیقی معنوں میں اقدام کرنا ہوگا۔ ہماری رائے میں حاملین حق کی اولین ترجیح یہ ہونا چاہیے کہ تہذیب مغرب اور اس کی فکری بنیادوں کو نقد وتحقیق کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں یوں آشکار کیا جائے کہ اس کا قصرِ فلک بوس منہدم ہوکر رہ جائے۔ عصر حاضر کی یہ بے خدا تہذیب سرمایہ دارانہ علمیت پر اساس پذیر ہے؛ چناں چہ اس کا گہرا اور ناقدانہ مطالعہ کرتے ہوئے اس حقیقت کو بے نقاب کرنے کی ضرورت ہے کہ 'پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود' کے مصداق اس کی بنیادیں قطعاً کھوکھلی ہیں، جو ہرگز کسی صحت مند معاشرے کے قیام کی ضامن نہیں ہوسکتیں۔

لائق تعجب امر یہ ہے کہ یہ پہلو جس قدر توجہ کا متقاضی ہے؛ ہمارے اربابِ فکر ودانش اسی قدر اس سے غافل ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اس شک آفریں تہذیب کی خیرہ کن چمک دمک نے جہاں افرادِ امت کو سراسر مادیت پسند بنا دیا ہے؛ وہیں عقائد وایمانیات کی اساسات بھی متزلزل ہوکر رہ گئی ہیں۔ اس کی سنگینی اور شدت اس لیے بھی بڑھ گئی ہے کہ موجودہ الحاد یا مابعد جدیدیت نے اپنی تکنیک میں ایک نمایاں تبدیلی کی ہے؛ اس سے پہلے دین ومذہب سے معاندانہ روش برتی جاتی تھی اور اس کی تحقیر وتوہین کرتے ہوئے یک سر مسترد کردیا جاتا تھا؛ لیکن جب مذہب اپنی تمام تر استواریوں کے ساتھ قائم رہا اور اسے مٹانے کی جملہ تدبیریں ناکامی سے دوچار ہوگئیں؛ تو اب مذہب سے مصالحت کا رویہ اپنالیا گیا ہے اور تخریبی سرگرمیوں کا ہدف یہ قرار پایا ہے کہ اس کے دائرے کو سمیٹ کر معبد خانوں تک محدود کردیا جائے اور زندگی کے تمام گوشوں میں حاکمانہ حیثیت خود انسان کو دے دی جائے۔ فکر مغرب کی عشوہ طرازیوں سے متاثر ہمارے یہاں کے لبرل اور روشن خیال دانش ور بھی اسی نظریے کی آب یاری میں مصروف ہیں۔

آخری سطروں میں ہم دو اور باتوں کی جانب بھی اشارہ کرنا چاہتے ہیں؛ ایک یہ کہ مندرجہ بالا علمی وفکری کاوشوں کے پہلو بہ پہلو اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ کسی نظامِ فکر کو غالب کرنے کے لیے محض تحقیقی مساعی ہی کافی نہیں، بل کہ اس راہ میں باطل سے بالفعل تزاحم وتخالف کی نوبت بھی لازماً آتی ہے: ع 'گر عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد'؛ یہی وجہ ہے کہ اہل مغرب اپنے تہذیبی، سیاسی اور اقتصادی نظاموں کے غلبے کی خاطر بھرپور عسکری طاقت بھی استعمال کررہے ہیں؛ بنابریں جو لوگ رزم گاہِ حق وباطل میں سرفروشانہ جدوجہد کررہے ہیں اور غلبہ اسلام کے لیے میدان عمل میں مصروف کار ہیں، ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی عملی وفکری تائید ونصرت بھی ضروری ہے۔

دوسری یہ کہ برصغیر پاک و ہند میں جو اصحابِ علم و ہنر اسلام کے حکیمانہ مزاج کو اجاگر کرنا چاہتے اور یہ خواہش رکھتے ہیں کہ عصر حاضر کے فہیم عناصر ان کی جانب متوجہ ہوں؛ انھیں بہ ہر آئینہ اردو زبان و ادب سے رشتہ استوار کرنا ہوگا۔ اس سے نہ صرف یہ کہ اپنے خیالات دل آویز اسلوبِ نگارش میں دوسروں تک پہنچانے کا سلیقہ پیدا ہوگا؛ اربابِ ذوق کی تسکین خاطر کا سامان ہوگا؛ شعر و ادب اور علم وفن کے اس عظیم الشان سرمایے سے آگاہی حاصل ہوگی، جو ہمارے بزرگوں نے دنیا کو دیا ہے؛ بل کہ ادب کے پردے میں اخلاقی انار کی پھیلانے والے نام نہاد ادیبوں کو پہچاننے میں بھی مدد ملے گی۔ کچھ عرصہ پہلے تک 'ماسکو' کے 'سرخ انقلاب' کی مدح وتوصیف ان کے نزدیک 'ترقی پسندی' کی معراج تھی؛ تو آج 'قصر ابیض' ان کا کعبۂ مقصود اور اس کی سرمایہ دارانہ تہذیب کی ترویج واشاعت ان کا نصاب زندگی ہے۔

مزید برآں شوق نیموی، شبلی نعمانی، ابوالکلام آزاد، سلیمان ندوی اور ماجد دریا آبادی ایسے علماے مذہب نے شعر وسخن اور دیگر اصناف ادب سے متعلق جو خامہ فرسائی کی ہے، اس سے ایک لمحے کے لیے صرف نظر کر لیجیے کہ یہ خالص ادبی مباحث ہیں؛ اس حقیقت پر غور کرنا چاہیے کہ اسماعیل سلفی، سید مودودی، حنیف ندوی، عامر عثمانی اور کرم شاہ ازہری ایسے سکہ بند عالموں نے خالص مذہبی زاویۂ نگاہ سے تفسیر وحدیث، عقیدہ وکلام، فقہ واجتہاد، تاریخ وسیرت اور نقد واحتساب ایسے متنوع عناوین کے تحت علم وتحقیق کے جواہر ریزے صفحات قرطاس پر بکھیرے اور انشا پردازی کے جو جوہر دکھلائے ہیں؛ وہ بجاے خود اردو کے ادبِ عالیہ کا بہترین نمونہ ہیں۔

ستیزہ کاریِ حق و باطل میں علمی وفکری سطح پر جن مجوزہ اقدامات کا تذکرہ سطورِ بالا میں ہوا؛ وہ اجراے 'نظریات' کا نصب العین بھی ہیں اور وجۂ جواز بھی۔ زیادہ واضح لفظوں میں ہم کہنا چاہتے ہیں کہ عالم جرائد میں محض ایک رسالے کا اضافہ ہمارے پیش نظر نہیں؛ بل کہ یہ چند شوریدہ سروں کی طرف سے تجدیدِ دین، احیاے ملت اور اُمت کی نشاتِ ثانیہ کے سلسلے میں جاری جہود ومساعی میں شریک ہونے کی ایک ادنیٰ سی کاوش ہے۔ ہم بجا طور پر اُمید رکھتے ہیں کہ اربابِ قلم ہمیں اپنے رشحاتِ فکر سے نوازیں گے؛ اہل نظر اپنے بصیرت افروز مشوروں سے ہماری رہ نمائی فرمائیں گے اور اصحابِ دل اس تحریک کو کام یابی سے ہم کنار کرنے میں ہمارے دست وبازو بنیں گے۔

—— حافظ طاہر اسلام عسکری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-nuzool e quran

نزولِ قرآن؛ چند اہم مباحث

حافظ فہد اللہ مراد*

نزول قرآن کے سلسلہ میں عموماً بحث کا آغاز وحی کی اقسام سے کیا جاتا ہے، سیدنا جبرائیل علیہ السلام کہاں سے کلام لے کر آتے تھے، عموماً اس کی طرف اعتنا نہیں کیا گیا اور جن اصحاب نے اس بات کو کچھ اہمیت دی ہے، ان کا انداز بھی تحقیقی نہیں ہے کہ ہر بات اہل سنت والجماعت کے فکری مسلمات کی روشنی میں سمجھی اور کہی جائے۔ اس وجہ سے جب جبرائیل علیہ السلام کے اخذ قرآن کے بارے میں بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ اسے لوح محفوظ سے لیتے تھے؛ کچھ بیت العزت کی بات کرتے ہیں؛ تو اس بات پر سوچنے کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں کی جاتی کہ اس سے کن کن بنیادی عقائد کو صدمہ پہنچتا ہے، اور بالآخر کیسی نہ سلجھنے والی گتھیاں سلجھانے کے درپے ہونا پڑے گا۔ ویسے بھی اس ضمن میں کسی تحقیقی کدوکاوش سے بچنے کی خاطر اگر ان صورتوں کو قلم زد کر دیا جائے، جو منبع وحی سے حامل وحی تک پہنچنے کے درمیان تھیں تو یقیناً نزول قرآن کی بحث تشنہ رہے گی اور اپنا مربوط تسلسل کھو بیٹھے گی، جب کہ اسی تسلسل کو ٹھیک ٹھیک انداز میں قائم رکھنا تاریخ کے طالب علم کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں چند تمہیدی باتوں سمیت کچھ معروضات پیش خدمت ہیں۔

انزال اور تنزیل کا مفہوم

قرآن کریم میں نزول قرآن کے لیے دو طرح کے صیغے بولے گئے ہیں؛ یا تو باب افعال سے فعل ماضی 'انـــزل' لایا گیا؛ یا پھر باب تفعیل کا مصدر تنزیل اور اس سے فعل ماضی 'نـــزّل' کے ذریعے نزول قرآن کے بارے میں اطلاع دی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ. [1] ''ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔''

*رفیق، شعبہ تاریخ علوم اسلامیہ، دارالمعارف، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے مقام پر ہے:

'شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ'، [2] یعنی ''رمضان وہ مہینا ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا۔''

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

'نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ'، [3] یعنی ''اے نبی اس نے تم پر یہ کتاب نازل کی، جو حق لے کر آئی ہے۔''

علما کے مابین انزال اور تنزیل کے مفہوم کے تعین میں اختلاف ہے؛ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ دونوں الفاظ ایک ہی مفہوم لیے وارد ہوئے ہے اور دیگر ان کے مابین فرق کرتے ہیں کہ انزال یک بارگی نزول کے وقت کہا جاتا ہے اور تنزیل کے معنی وقفے وقفے سے نزول کے ہیں۔

ابن منظور افریقی نے اس فرق پر مختصر سی بحث کی ہے جس میں ابوالحسن اور سیبویہ کا ایک قول نقل کیا ہے، لیکن زبیدی نے تاج العروس میں قدرے پھیلا کر بات کی ہے۔ انھوں نے پہلے فیروز آبادی کا یہ قول نقل کیا ہے:

'ونزّله تنزیلاً وانزله انزالا ومُنزلاً کمجُمل ، واستزله بمعنی واحد' یعنی ''نزله، تنزیلاً، انزله، انزالا ، مُنزلاً اور استنزل تینوں کا ایک ہی معنی ہے''؛ اس کے بعد رقم طراز ہیں:

سیبویہ نے کہا ہے کہ ابوعمرو بصری 'نزّلت' اور 'انزلت' میں فرق کرتے تھے لیکن فرق کی بنیاد ذکر نہیں کی، جب کہ ابوالحسن نے کہا کہ میرے نزدیک ان دونوں صیغوں میں سوائے اس کے کہ 'نزّلت' میں کثرت کے معنی ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔

زبیدی کا کہنا ہے کہ ہمارے شیخ کے بہ قول محققین اہل علم نے ان میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ تنزیل کا معنی ہے: تدریجاً کسی شے کا اترنا اور انزال کا مفہوم ہے: یک بارگی اُترنا، جس طرح کہ بیضاوی اور کشاف کے اکثر حواشی میں درج ہے۔ اس کے فرق کو نظر انداز کرنے کی بنیاد یہ ہے کہ بسا اوقات 'تنزیل' یک بارگی اتارنے کے مفہوم میں بھی وارد ہوا ہے، جس سے لوگوں کو یہ دھوکا لگا ہے کہ 'انزال' اور 'تنزیل' میں فرق صرف کثرت اور عدم کثرت کی بنیاد پر ہے۔

زبیدیؒ کہتے ہیں کہ فیروز آبادیؒ نے راغبؒ وغیرہ کی اتباع میں اپنی کتاب 'البصائر' میں کہا ہے کہ 'انزال' اور 'تنزیل' میں قرآن اور فرشتوں کے وصف کے لحاظ سے کچھ فرق ہے؛ لفظ 'تنزیل' اس مقام کے لیے خاص ہے کہ جہاں قرآن کریم کے الگ الگ وقفے کے ساتھ پے در پے نازل ہونے کا بیان ہے اور 'انزال' عام لفظ ہے۔ اس کی دلیل کے طور پر اُنھوں نے قرآن کریم کی درج ذیل آیت کا تذکرہ کیا ہے:

لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ [4]

آیت کے پہلے حصہ میں 'نزّل' اور دوسرے میں 'أنزل' آیا ہے؛ اب پہلے مقام پر 'نزّل' کا استعمال اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے ہوا ہے کہ منافقین یہ تجاویز دیتے تھے کہ جہاد کے احکام کے بارے میں کچھ اترتا رہے تاکہ تدریجاً وہ ایک ایک حکم سے موانست پیدا کرلیں، لیکن جب انھیں یک بارگی مکمل شروط و قیود کے ساتھ حکم دیا جاتا ہے، تو وہ توحش کا شکار ہوجاتے اور حکم کو مان کر نہیں لاتے۔[5]

زبیدی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا تصریحات سے یہ معلوم ہوتا کہ محقق علما کی ایک جماعت انزال اور تنزیل کے درمیان فرق کی قائل ہے، لیکن یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ دونوں ایک معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ معانی کے فرق کے ساتھ ان الفاظ کا نزول قرآن کی بحث سے کیا تعلق ہے اس کا ذکر آیندہ آئے گا، سردست ہم انزال کے لغوی معنی کی وضاحت کرتے ہوئے یہ واضح کریں گے کہ لفظ 'انزال' یا 'تنزیل' جب قرآن کے لیے بولا جاتا ہے، تو اس کا کیا مفہوم ہوتا ہے۔

انزال کے لغوی معنی

انزال کے لغوی معنی 'ھبوط' اور 'ایواء' کے ہیں۔ 'ھبوط' کا مطلب ہے کسی چیز کا بلندی سے نیچے آنا اور 'ایواء' کا معنی ہے کسی جگہ ٹھکانا پکڑنا؛ یہ دونوں انزال کے حقیقی معانی ہیں، جیسا کہ کہا جاتا ہے:

'نزل من شاھق الجبل' وہ پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اترا اور 'نزل فی المکان'، کہ اس نے ایک جگہ ٹھکانا پکڑا۔ قرآن مجید میں ہے:

'وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَکًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ'، [6] یعنی ''اور کہہ اے پروردگار! مجھ کو برکت والی جگہ اُتار اور تو بہترین جگہ دینے والا ہے۔''

دوسرے مقام پر ہے:

'وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَھُوْرًا'، [7] یعنی ''اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا۔''

مذکورہ بالا آیات میں پہلی آیت میں 'انزال' ٹھکانا پکڑنے اور دوسری آیت میں بلندی سے نیچے اُترنے یا اتارنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا انزال اپنے ان دو حقیقی معنوں کے ساتھ نزول قرآن کے لیے بولا جاسکتا ہے؟ تو یقیناً جواب نفی میں ہوگا، کیوں کہ قرآن پاک کوئی مادی شے نہیں ہے کہ جس کے لیے انزال کو حقیقی معنی میں مراد لیا جائے۔ اسی وجہ سے علما کا میلان اس طرف ہے کہ انزال کو حقیقی معنی میں نہیں لیا جاسکتا، بل کہ یہ قرآن کے لیے مجازاً استعمال ہوا ہے، پھر علما نے اس کی دو توجیہیں ذکر کی ہیں:

① انزال قرآن سے مقصود حامل قرآن سیدنا جبرئیل علیہ السلام کا نزول ہے۔

② انزال سے اس کا لازم معنی اعلام (پہچانا اور خبر دینا) مراد ہے، جب کہ مذکورہ دونوں معانی مجازی ہیں۔

لہٰذا انزال قرآن کا مفہوم یہ طے پایا کہ قرآن کریم کو ذات باری تعالیٰ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک بہ ذریعہ جبرائیل پہنچایا ہے۔[8]

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیدنا جبریل علیہ السلام نے قرآن کہاں سے اور کیسے اخذ کیا؟

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کس طرح اتارا گیا؛ حملِ قرآن اور نزول کے طریقے کیا تھے؛ اور قرآن پاک کے نزول کا باقاعدہ اجرا کب ہوا؛ ان تمام سوالات سے پہلے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ قرآن کریم کلام اللہ ہے اور اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاواسطہ کلام کے ذریعہ نہیں دیا گیا، بل کہ آپ تک قاصد ربانی سیدنا جبریل علیہ السلام پہنچاتے تھے۔ سیدنا جبرائیل علیہ السلام کا خود خدائے تعالیٰ سے اخذ قرآن کا کیا ذریعہ تھا؛ اس موضوع پر جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں علوم القرآن کی امہات الکتب میں سرے سے بحث ہی نہیں کی گئی۔ زرقانی رحمہ اللہ نے مناہل العرفان میں اس پر انتہائی سرسری سے سی کچھ بحث کی ہے اور یہ کہہ کر گزر گئے ہیں کہ علوم قرآن کا اس سے کچھ خاص تعلق نہیں ہے۔

زرقانی کی اس رائے سے ہمارا اتفاق نہیں ہے؛ ہمارے نزدیک نزول قرآن کی بعض بنیادی ابحاث کا اس مسئلہ سے گہرا تعلق ہے، اس لیے اسے قابل اعتنا سمجھنا چاہیے۔ اس مسئلہ پر عقیدہ کی کتب میں قدرے تفصیل سے بحث کی گئی ہے، جس کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کی کثیر آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کریم اللہ رب العزت کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

'تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ'، [9] ''اس کتاب کی تنزیل بلاشبہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

'تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ' [10] ''اس کتاب کا نزول اللہ زبردست و دانا کی طرف سے ہے۔''

مزید صراحت کرتے ہوئے فرمایا:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ. [11]

''یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ نے تو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق کتاب نازل کی تھی، مگر جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف نکالے وہ اپنے جھگڑوں میں حق سے بہت دور نکل گئے۔''

ایک مقام پر خدا تعالیٰ سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لانے والے فرشتے اور قرآن کریم کو کس زبان میں نازل کیا گیا ہے، کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ

''یہ رب العالمین کی نازل کردہ چیز ہے، اسے لے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْاَمِیْنُ. عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ. بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ. [12]

کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے تا کہ تو ان لوگوں میں شامل ہو جو (خدا کی طرف سے خلق خدا کو) متنبہ کرنے والے ہیں صاف صاف عربی زبان میں۔''

سورہ آل عمران میں فرمایا:

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ. [13]

''اے نبی! وہی خدا جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں ایک محکمات جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں، دوسری متشابہات۔''

مذکورہ بالا تمام آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم خود خدائے پاک کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی مسلک ہے۔ دیگر لوگ بھی اسے تو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اللہ رب العزت کی طرف سے نازل ہوا، لیکن وہ نزول کی تشریح بدعتی انداز سے کرتے ہیں جن کی اصل بنیاد یہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں، بل کہ یہ تو سیدنا جبریل علیہ السلام کے الفاظ ہیں یا سیدنا محمد کریم ﷺ نے اللہ رب العزت کی طرف سے القا کردہ معانی کو خود الفاظ کا لبادہ اوڑھا دیا ہے، وغیرہ۔ ان کے ایسے تمام ابہامات اور اشکالات کے جوابات علمائے اہل سنت نے پورے شروح بسط سے دیے ہیں جن کے ذکر کا یہ مقام نہیں، البتہ ہم اس قدر ذکر کرتے ہیں کہ جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام نے خود اللہ رب العزت سے قرآن کریم الفاظ اور اصوات کے ساتھ عربی زبان میں سماع فرمایا ہے اور اُسے آقائے نام دار ﷺ تک بعینہ پہنچایا ہے۔

قرآن پاک اللہ رب العزت کا کلام ہے، اس بارے میں قرآنی شہادت کچھ یوں ہے:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ. [14]

''اے مسلمانو! اب کیا ان لوگوں سے تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمھاری دعوت پر ایمان لے آئیں گے۔ حالاں کہ ان کا شیوہ یہ ہے کہ اللہ کا کلام سنا اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کی۔''

دوسرے مقام پر قرآن کے کلام اللہ ہونے کی یوں صراحت کی گئی ہیں۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰی یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ

''اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمھارے پاس آنا چاہے (تا کہ اللہ کا کلام سنے)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ. [15]

تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اُسے اس کے مامن تک پہنچا دو، یہ اس لیے کرنا چاہیے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے۔''

مذکورہ بالا آیات شاہد ہیں کہ قرآن کلام اللہ ہے جسے خود خدائے تعالیٰ نے تکلم فرمایا، بل کہ خود قرآن پاک میں ایک مقام پر اللہ رب العزت نے یہ بھی صراحت فرما دی ہے کہ قرآن کریم کو جب ہم نے تلاوت کیا تو انداز کیا تھا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا. [16]

''منکرین کہتے ہیں اِس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اُتار دیا گیا؟ اسی طرح ہم نے اتارا تاکہ ہم اس کے ساتھ تیرے دِل کو مضبوط کریں، اور ہم نے خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا۔''

نزول قرآن کے وقت سیدنا جبریل علیہ السلام باری تعالیٰ سے باقاعدہ سماعت فرماتے تھے؛ اس سلسلہ میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إذا أراد اللّٰه أن يوحي بأمر تكلم بالوحي وحدثت السموت رجفة شديدة من خوف اللّٰه ، فإذا سمع بذلك أهل السمٰوت صعقوا وخرّوا سجدًا فيكون اوّلهم يرفع رأسه جبريل فيكلمه اللّٰه من من وحيه بما أراد فينتهي به جبريل على الملائكة، كلما مرّ بسماء سأله أهلها ماذا قال ربنا ياجبريل : قال الحق وهو العلي الكبير فيقولون كلهم مثل قال جبريل [17]

جب اللہ رب العزت کسی معاملہ کے متعلق وحی اتارنا چاہتے ہیں تو کلام فرماتے ہیں جس کے رعب و دبدبہ سے آسمانوں پر شدید زلزلہ طاری ہو جاتا ہے، جب اہل آسمان کلام الٰہی سماعت کرتے ہیں تو بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں؛ سب سے پہلے جبرائیل علیہ السلام سر اُٹھاتے ہیں تو اللہ رب العزت ان سے وحی کے سلسلہ میں مخاطب ہوتے ہیں تب جبرائیل علیہ السلام حکم خداوندی کے مطابق اُسے پہنچانے کے لیے ملائکہ کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ سوال کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ نے کیا فرمایا تو جبرائیل کہتے ہیں سراسر حق بیان فرمایا، اور وہ بلند و بالا ہیں اور پھر یہی ترانہ تمام فرشتوں کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔''

اہل سنت والجماعت کہ کبار ائمہ نے بھی اس مسئلے پر تفصیل سے گفت گو فرمائی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-nuzool e quran

سیدنا ابن مسعود کا نقطۂ نظر

عن مسروق عن عبداللّٰه: إذا تكلّم اللّٰه عزوجل بالوحی سمع صوته أهل السماء فيخرون سجدًا حتى ؛ذا فزع عن قلوبهم- قال سكن عن قلوبهم- نادى أهل السماء ماذا قال ربكم ؟ قال: الحق قال كذا و كذا. [18]

''مسروق تابعی عبداللہ بن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ جب اللہ رب العزت کلام فرماتے ہیں تو اُسے اہل آسمان سماعت کرتے ہیں اور بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں؛ یہاں تک جب ان کے قلوب میں خدائے تعالیٰ کا جلال قرار پکڑتا ہے تو منادی دیتے ہیں کہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر طرف سے حق، حق کی صدائے حقیقت بلند ہونا شروع ہو جاتی ہے۔''

شافعیہ کا نقطۂ نگاہ

ابو حامد اسفرائینیؒ کہتے ہیں:

مذهبی و مذهب الشافعی وفقهاء الامصار أن القرآن كلام اللّٰه غير مخلوق، ومن قال مخلوق فهو كافر، والقرآن حمله جبريل مسموعًا من اللّٰه تعالى والنبیّ سمعه من جبريل والصحابة سمعوه من النبی ، وهو الذی نتلوه بألسنتنا فما بين الدفتين وما فی صدورنا مسموعًا ومكتوبًا ومحفوظًا و منقوشاً كل حرف منه كالباء والتاء كلمه كلام اللّٰه غير مخلوق ومن قال مخلوق فهو كافر عليه لعائن اللّٰه والملائكة والناس أجمعين. [19]

''میرا اور امام شافعی کا مذہب اور دیگر تمام بلاد کے فقہا کا نقطۂ نظر یہ ہے، کہ قرآن خدائے تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے؛ جس نے کہا کہ یہ مخلوق ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ قرآن کریم کو سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے خدائے بزرگ و برتر سے اور نبی اکرم ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ سے سماعت فرمایا ہے؛ وہ قرآن کہ جسے ہم اپنی زبانوں سے تلاوت کرتے ہیں وہ دو گتوں کے درمیان ہو، مسموع، مکتوب یا منقوش یا محفوظ فی الصدور ہو؛ ہر حالت میں اس کا ایک ایک حرف مثلاً با، تا سب کا سب کلام اللہ اور غیر مخلوق ہے اور جو اسے مخلوق کہے وہ کافر ہے؛ اس پر اللہ رب العزت، فرشتوں اور تمام لوگوں کی پھٹکار ہو۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام دارمیؒ کا زاویہ نظر

امام عثمان بن سعید دارمیؒ کہتے ہیں:

سمعت اسحاق بن ابراهيم الحنظلي يقول: قال سفيان بن عيينة : قال عمرو بن دينار : أدركت اصحاب النبي ﷺ فمن دونهم منذ سبعين سنة يقولون ان الله الخالق وما سواه مخلوق والقرآن كلام الله منه خرج وإليه يعود

''میں نے اسحاق بن ابراہیمؒ سے، اُنھوں نے سفیان بن عیینہؒ سے سنا کہ عمرو بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں نبی مکرم ﷺ کے اصحاب اوران کے متوسلین سے ستر سال سے مل رہا ہوں، سب یہی کہتے تھے کہ اللہ خالق ہیں؛ باقی سب مخلوق ہے اور قرآن کلام الٰہی ہے، خود ذات خدائے تعالیٰ سے نکلا ہے اور اسی طرف لوٹ جائے گا۔''

امام احمد بن حنبلؒ اور علمائے اُمت کا نظریہ

امام احمدؒ فرماتے ہیں:

لقيت الرجال والعلماء والفقهاء بمكة والمدينة والكوفة والبصرة والشام والثغور و خراسان فرأيتهم على السنة والجماعة وسألت عنها الفقهاء : فكل يقول القرآن كلام الله غير مخلوق منه بدا وإليه يعود.

''مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، شام، سرحدی علاقوں اور خراسان کے علما سے ملا، جنھیں میں نے اہل سنت کے مسلک پر پایا؛ اُن سے سوال کیا، تو تمام یہی کہتے تھے: ''قرآن اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے وہیں سے برآمد ہوا اور دوبارہ اُسی کی طرف لوٹ جائے گا۔''

حافظ ضیاء الدین مقدسیؒ کہتے ہیں:

وقد وردت هذه اللفظة عن جماعة منهم عبدالله بن مسعود، وسفيان الثوري، ووكيع بن الجراح و ابو نعيم الفضل بن دكين و عبدالله بن المبارك. [20]

''اہل علم کی ایک بڑی جماعت کہ جن میں ابن مسعودؓ، سفیان ثوریؒ، وکیع بن جراحؒ، ابونعیم فضل بن دکینؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ شامل ہیں؛ سب سے یہی الفاظ کلام اللہ کے بارے میں وارد ہوئے ہیں۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ مذکورہ بالا قول کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

قولهم منه بدأ ردٌ على من قال أنه مخلوق في بعض الأجسام ومن ذلك المخلوق ابتدأ ، فبيّنوا أن الله هو

''سلف کا قول 'منه بدا' یہ ان حضرات کا رد ہے، جو کہتے ہیں کہ قرآن کو دیگر اجسام میں خلق کیا گیا، وہاں سے قرآن کی ابتدا ہوئی؛ لہٰذا اُنھوں نے وضاحت کر دی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المتكلم به، منه بدا، لامن بعض المخلوقات، وإليه يعود، فلا يبقى في الصدور منه آية ولا في المصاحف حرف. [21]	کہ خود اللہ ہی متکلم ہیں، انھیں سے اس کی ابتدا ہوئی نہ کہ دیگر مخلوقات سے اور انھی کی طرف دوبارہ اسے لوٹنا ہے، اس طرح کہ نہ تو دلوں میں کوئی آیت محفوظ رہے گی اور نہ مصاحف میں کوئی حرف۔''

ابن قیمؒ اس مسئلہ پر 'قصیدہ نونیہ' میں فرماتے ہیں:

لكن أهل الحق قالوا إنما جبريل بلّغه عن الرّحمٰن

القاه مسموعًا له من ربّه للصادق المصدوق بالبرهان

''اہل حق کا یہ کہنا ہے کہ قرآن کریم کو جبرائیل امین علیہ السلام ہی نے رحمٰن سے سماع کر کے صادق مصدوق تک بہ طور برہان پہنچایا ہے۔''

مذکورہ بالا نصوص شرعیہ اور اقوال سلف سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ قرآن پاک کو سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے خود خدائے تعالیٰ سے سماعت فرمایا ہے اور جو شخص اس سماع قرآنی کا منکر ہے؛ اہل السنہ کے ہاں وہ خارج از ملت اسلامیہ ہے، لہٰذا نزول قرآن کا پہلا مرحلہ یہ طے پایا کہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے خود سن کر قرآن پاک کو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے اور لوح محفوظ وغیرہ سے لینے کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

بیت العزت پر نزول قرآن

بیت العزت کون سی جگہ ہے اور اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے؛ اس بارے میں کسی بھی صحیح یا مرفوع روایت میں کوئی تصریح نہیں ہے۔ بعض تاریخی قسم کی روایات میں بغیر کسی حوالہ کے یہ تفصیل موجود ہے کہ ہر آسمان پر اللہ رب العزت کا ایک گھر ہے، ساتویں آسمان والے گھر کا نام بیت المعمور ہے، جو کہ بعینہ بیت اللہ کہ مقابل اسی جگہ پر ساتویں آسمان میں ہے اور پہلے آسمان پر موجود گھر کو بیت العزت کہا جاتا ہے۔ لیکن اس روایت کی تصدیق کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔

بیت العزت کے سلسلہ میں منقول سرمایۂ علم میں صرف ایک روایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی گئی ہے، جس میں ہے کہ لیلۃ القدر کو قرآن یک بارگی بیت العزت میں نازل کر دیا گیا۔ صرف اسی روایت میں یہ نام پہلی مرتبہ آیا اور اس کا آخری ذریعہ بھی یہی روایت ہے۔

ہماری اس بحث نزول قرآن سے اس مقام کا تعلق اس طرح ہے کہ نزول قرآن کی ایک جگہ بیت العزت کو بھی قرار دیا گیا۔ اس سلسلہ میں جو روایات منقول ہوئی ہیں، وہ اگرچہ حدیث کی کئی کتب میں ہیں، لیکن ان تمام طرق میں سے ہم صرف ایسی روایات کا تذکرہ کریں گے، جن میں کچھ الفاظ کا اختلاف یا اضافہ ہوتا ہے کہ روایت کی کامل شکل سامنے آجائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی قوله: 'إنّا انزلناه فی لیلة القدر'، قال دفع إلی جبریل لیلة القدر جملة ، فدفع إلی بیت العزة جعل ینزل تنزیلا [22]

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ باری تعالیٰ کے قول ''کہ بلاشبہ ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے (کا مفہوم یہ ہے) کہ شب قدر کو سیدنا جبرائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا تھا اور اُنھوں نے بیت العزت میں رکھا، پھر وہاں سے رفتہ رفتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔''

سنن کبریٰ نسائی میں منقول ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال:فصل القرآن من الذکر، فوضع فی بیت العزة فی السماء الدنیا، فجعل جبریل ینزل علی النبي صلی اللہ علیہ وسلم یرتّله ترتیلاً، قال سفیان: خمس آیاتٍ ونحو [ ]

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قرآن کریم لوح محفوظ الگ کر لیا گیا اور آسمان دنیا پر بیت العزت کے مقام پر رکھ دیا گیا، پھر سیدنا جبریل علیہ السلام رفتہ رفتہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرماتے رہے، سفیان کہتے ہیں کہ پانچ آیات یا اس کے قریب قریب یک بارگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے۔''

المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے:

عن ابن عباس ، فی قوله: 'إنّا انزلناه فی لیلة القدر'، قال: انزل القرآن جملة واحدة حتی وضع فی بیت العزة فی السماء الدنیا ، ونزّله جبریل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بجواب کلام العباد وأعمالهم [23]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد خداوندی ''کہ ہم نے ہی اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا'' کے بارے میں فرماتے ہیں: قرآن کریم ایک ہی دفعہ کامل اتارا گیا، یہاں تک کہ بیت العزت جو کہ آسمان دنیا میں ایک مقام ہے کی زینت بنا۔ وہاں سے سیدنا جبریل علیہ السلام لوگوں کے سوالات کے جواب کے طور پر اور ان کے اعمال کے متعلق احکام لے کر نازل ہوتے۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ روایت موقوف ہے اور موقوف روایت کے بارے میں اہل الحدیث کا یہ نکتہ نگاہ ہے کہ اگر اس میں اجتہاد کا دخل نہ ہو؛ صحیح روایت ہو؛ اور اسرائیلیات سے ماخوذ بھی نہ ہو، تو اسے مرفوع کے حکم میں شامل کیا جائے گا۔ اس روایت کے بارے میں جمہور علماے اہل سنت کی یہی رائے کہ یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرفوع کے حکم میں ہے کہ؛ اولاً یہ صحت کے متعینہ معیارات پر پوری اترتی ہے؛ پھر یہ اجتہاد کی طرفہ طرازیوں کا بھی نتیجہ نہیں ہوسکتی؛ نیز ماقبل صحف سماوی بھی ایسے عناوین سے خالی ہیں۔

لیکن ہمیں علمائے کرام اس رائے سے اختلاف ہے کہ مذکورہ بالا روایت میں اجتہاد کو دخل نہیں ہے، اور یہ روایت مرفوع کے حکم میں ہے۔ ہماری نظر میں تو یہ روایت سراسر اجتہاد کا نتیجہ ہے، جس میں اسرائیلیات کی بھی آمیزش کا احساس ہوتا ہے۔

اجتہاد کا نتیجہ یوں ہے کہ اس میں ایک بات یہ ہے کہ لیلۃ القدر میں سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو کامل قرآن سپرد کر دیا گیا، جب کہ اس بات کی دلیل سوائے اس روایت کے کوئی اور روایت نہیں ہے اور پھر قرآن نے جو صیغہ بولا ہے؛ وہ سپردگی کا نہیں بولا، بل کہ انزال کا بولا ہے، جو کہ بلندی سے نیچے کی طرف اترنے کے مفہوم میں مستعمل ہے، نہ سپردگی کے معنی میں۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اس تعبیر کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ لیلۃ القدر کو سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو کامل قرآن کریم سپرد کر دیا گیا؛ تو اس کی وجہ صرف وہ صیغے ہیں، جو کہ قرآن کریم نے نزول قرآن کے موقع پر استعمال کیے ہیں، جن پر ابتدا میں گفت گو گزر چکی ہے کہ نزول قرآن کے لیے قرآن کریم نے 'انزال' اور 'تنزیل' کے صیغے بولے ہیں اور اہل علم کی ایک جماعت ان کو ہم معنی خیال کرتی ہے، جب کہ دوسری جماعت ان میں فرق کی قائل ہے۔ جو لوگ فرق کرتے ہیں وہ انزال کو یک بارگی نزول اور تنزیل کو وقفے وقفے کے نزول کے معنی میں لیتے ہیں؛ اگرچہ قرآن میں ان دونوں صیغوں کو مذکورہ دونوں مفاہیم میں استعمال کیا گیا ہے۔ ہمارا احساس یہ ہے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما اہل علم کی اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، جو کہ 'انزال' اور 'تنزیل' کے مفہوم میں فرق کے قائل ہیں۔

یعنی انزال کو یک بارگی نزول کے معنی میں لیتے ہیں۔ اسی لیے وہ دونوں مقام (سورۃ القدر اور البقرۃ) کہ جہاں ابتدائے نزول قرآن کا ذکر ہے اس میں صیغہ 'انزال' کا استعمال کیا گیا ہے؛ اسی انزال کے مفہوم کی درستی کی خاطر ہی شاید یہ اجتہاد کیا گیا ہے کہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو ایک بار ہی اولاً مکمل قرآن سپرد کر دیا گیا تھا۔ رہا مسئلہ اسرائیلیات کی آمیزش کا تو جب کسی بھی صحیح روایت میں آسمانوں میں بیت المعمور کے سوا کسی گھر کی نشان دہی نہیں کی گئی، تو یہ 'روایات سابقہ' کا نتیجہ ہی معلوم ہوتی ہیں، کیوں کہ سابقہ سرمایہ میں ایسا بہت کچھ وافر مقدار میں موجود ہے۔

اس روایت کے اجتہادی اور اسرائیلیات سے متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو تسلیم کرنے پر مزید کن کن مسلمات پر زد پڑتی ہے، وہ یہ ہیں:

اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک اللہ جل جلالہ کی مبارک ذات سے حروف اور اصوات کے ساتھ سماعت فرما کر آپ ﷺ تک پہنچاتے تھے۔

① اب اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو اس عقیدہ کی صحت کو صدمہ پہنچتا ہے، کیوں کہ یہ روایت بتاتی ہے کہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کی طرف قرآن بیت العزت سے لے کر آتے تھے، جب کہ یہ مذکورہ بالا نظریہ کے صریح خلاف ہے۔ اور پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ جناب جبرائیل علیہ السلام بیت العزت سے لاتے تھے، تو قرآن کے اس مذکورہ حصہ کا انتخاب کیسے کرتے تھے؟ خود کرتے تھے یا اللہ رب العزت کے حکم پر؛ اگر خود کرتے تھے تو قرآن کی وہ ساری آیات، جن میں ہے کہ اللہ نازل کرتے تھے، اس کا مفہوم کیا ہوگا؟ اور اگر انتخاب اللہ رب العزت فرماتے تھے، تو اس کی دلیل کیا ہے؟

② بیت العزت پر نزول قرآن کو تسلیم کر لیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ لیلۃ القدر کو مکمل قرآن سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو عطا کیا گیا اور قرآن پاک کی آیات 'شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن' اور 'انا انزلناه فی لیلة القدر' کے مصداق بھی سیدنا جبرائیل علیہ السلام ہی ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر یہ بتانا پڑے گا کہ آپ ﷺ پر نزول قرآن کب ہوا اور اس کے دلائل کیا ہیں؟ اگر یہی مذکورہ بالا دلائل آپ ﷺ پر نزول قرآن کے ہیں، تو جبرائیل علیہ السلام کی سپردگی کا وقت کیا تھا اور اس کے دلائل کیا ہیں؟ اس کی کھوج لگانا پھر بھی باقی رہے گا۔

③ ایک سوال یہ بھی فکر و نظر کے سامنے آتا ہے کہ جب اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں یہ طے ہے کہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے قرآن اللہ رب العزت سے سماعت فرمایا اور نبی اکرم ﷺ تک پہنچا دیا تو پھر سوائے 'انزال' کے صیغہ کے معنی کو ثابت کرنے کے بیت العزت کا کیا مقصد باقی رہ جاتا ہے؟ اور پھر وہ جگہ بھی ایسی ہے کہ جس کے وجود کے لیے بھی کوئی فیصل دلیل موجود نہیں۔

④ سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو جب قرآن پاک سپرد کیا گیا اور اُنھوں نے بیت العزت کے مقام پر منتقل فرما دیا، تو کیا سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو ان تمام واقعات کے متعلق علم ہو گیا تھا کہ جو ابتدائے نزول قرآن کے پندرہ، سولہ سال بعد وقوع پذیر ہوئے؛ مثلاً واقعہ افک، سورۃ المجادلۃ کا نزول وغیرہ۔ اگر علم ہو گیا تھا تو کیا ان کے نزول کے پسِ منظر وغیرہ سے بھی واقف تھے اور ایسی واقفیت کیا مستقبل کے غیب کے بارے میں اطلاع نہ پانا تھا؟ اور کیا ایسا اللہ رب العزت کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے ممکن ہے کہ وہ مستقبل کی خبروں کے بارے میں آگاہ ہو جائے؟ پھر اگر سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا اور نہ ہی قرآن کریم کی قراءت کی اجازت تھی، تو پھر اس سپردگی کا مطلوب و مقصود کیا تھا؟

⑤ واقعہ افک اور ظہار کے سلسلہ میں سورۃ المجادلہ کی ابتدائی آیات اور 'لا تحرك به لسانك لتعجل به'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-nuzool e quran

وغیرہ آیات کا انداز یہ بتا رہا ہے کہ یہ فوری نوعیت کے فیصلے تھے کہ سلسلہ کلام منقطع کر کے درمیان میں حکم دیا گیا، تو پھر یہ کیوں کر مانا جا سکتا ہے کہ سب کچھ جبرائیل علیہ السلام کے پاس پہلے سے ہی موجود تھا؟

ان تمام اشکالات کی بنا پر ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ نزول بیت العزت والی روایت کو جو کہ خود موقوف ہے، بغیر ان کے حل ہوئے تسلیم کر لیں؛ لہٰذا اس سلسلہ میں ہماری ناچیز رائے یہی ہے کہ یہ سراسر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اجتہادی نقطہ نگاہ ہے، جسے تسلیم کرنے سے طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ہماری انھیں گذارشات کی تائید شیخ ابن عثیمینؒ اور دیگر اہل علم کی تصریحات سے بھی ہوتی ہے۔ ابن عثیمینؒ سورہ البقرۃ کی آیت 'شهر رمضان الذی.....' کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وهل المراد بالقرآن جنس فيشمل بعضه، أو المرادبه العموم فيشمل كله؟ قال بعض اهل العلم: إن أل للعموم فيشمل كل القرآن؛ وهذا هو المشهور عند كثير من المفسرين المتاخرين؛ وعلى هذا القول يشكل الواقع، لان الواقع أن القرآن نزل فی رمضان و فی شوال و فی ذی القعدة و فی ذی الحجة وفی جميع الشهور، ولكن اجابو عن ذلك بانّه روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن القرآن نزل من اللوح المحفوظ الی بيت العزة فی رمضان، وصار جبريل يأخذه من هذا البيت منزل به علی رسول اللّٰه ﷺ ولكن هذا الاثر ضعيفٌ ولهذا الصحيح أن (أل) هنا للجنس، وليست للعموم وأن معنى أنزل فيه القرآن أی ابتدی فيه انزاله كقوله تعالیٰ (انا انزلناه فی ليلة مباركة) وقوله تعالیٰ 'انا انزلناه فی ليلة القدر' ای ابتدأنا انز

''مذکورہ آیت میں قرآن کریم سے مراد جنس قرآن ہے کہ جو بعض حصہ قرآن پر بولا جاتا ہے یا پھر اس سے مراد عموم ہے، جو جمیع قرآن کریم کو محیط ہے؟ بعض اہل علم کا زاویۂ نظر یہ ہے کہ یہاں 'الف لام' عموم کے لیے ہے، جس میں مکمل قرآن کریم شامل ہے؛ متاخر مفسرین قرآن کے ہاں یہی معروف ہے۔ اس قول کو اختیار کرنے سے حقیقت واقعہ پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے؛ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم رمضان، شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور دیگر تمام مہینوں میں نازل ہوا ہے۔ اس کا جواب کچھ حضرات نے یوں دیا ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قرآن لوح محفوظ سے بیت العزت پر رمضان میں نازل ہوا؛ پھر جبرائیل علیہ السلام حسب موقع رسول اللہ ﷺ پر نازل فرماتے۔ لیکن یہ اثر ضعیف ہے، لہٰذا اس مسئلہ میں درست یہ ہے کہ 'الف لام' جنس کے لیے ہے، نہ کہ عموم کے لیے اور 'انزل القرآن فيه' کا معنی یہ ہوگا کہ اس ماہ مکرم میں قرآن کے نزول کی ابتدا ہوئی۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسے ہی شیخ سورہ القدر میں لفظ 'انزال' کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

ولا یمتری الاحد فی ان المراد بذلك انزال القرآن الکریم، انزله اللّٰه تعالٰی فی لیلة القدر؛ فما معنی فی لیلة القدر الصحیح أن معناها ابتدأنا انزاله فی لیلة القدر. [25]

''اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن کریم کا نزول لیلۃ القدر میں فرمایا، پس لیلۃ القدر میں نزول قرآن کا صحیح معنی یہ ہے کہ اس رات میں قرآن کریم کے نزول کی ابتدا ہوئی۔''

جاراللہ زمخشریؒ کا نقطہ نگاہ

قرآن کے عدد نزول کے بارے میں زمخشریؒ کا بھی یہی نقطہ نگاہ ہے کہ 'شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن' سے مراد ابتدائے نزول قرآن ہے، نہ کہ پورے قرآن کا نزول؛ آپ الکشاف میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

'معنی انزل فیه القرآن ابتدی فیه انزاله' [26] یعنی ''رمضان میں قرآن کے نازل کرنے کا مطلب یہ ہے اس میں نزول قرآن کی ابتدا کی گئی تھی۔''

امام فخر الدین الرازیؒ کا زاویہ نظر

امام رازیؒ نے اس سوال کا تذکرہ کیا ہے کہ قرآن پاک تو تمام مہینوں میں نازل ہوا ہے، پھر اس کے نزول کو رمضان کے ساتھ خاص کرنے کا کیا معنی ہے؟ اس سلسلہ میں اُنھوں نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں؛ ایک جمہور کا قول ہے کہ رمضان کو یک بارگی بیت العزت میں نازل ہوا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ابتدائے نزول ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

الجواب الثانی من هذا السوال أن المراد منه أنه أبتدی انزاله لیلة القدر من شهر رمضان وهو قول محمد بن اسحاق.

''مذکورہ بالا سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ رمضان المبارک کی لیلۃ القدر میں نزول قرآن کی ابتدا کی گئی ہے اور یہ محمد بن اسحاق کا نقطہ نظر ہے۔''

سید رشید رضا مصریؒ کا نقطہ نظر

سید رشید اپنی معروف تفسیر 'المنار' میں سورۃ البقرۃ کی آیت 'شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن' کے ذیل میں 'انزال' کا مفہوم ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

'فالمراد بانزال القرآن فیه بدؤه واوّله'. [27] ''(رمضان المبارک) میں نزول قرآن کا مفہوم یہ ہے کہ ابتدائے نزول رمضان میں ہوا۔''

ان کبار مفسرین کے علاوہ علامہ بیضاویؒ وغیرہم نے بھی اس قول کا تذکرہ کیا ہے؛ نیز امام فخر الدین رازیؒ کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصریح کے موافق عظیم مورخ اور دوسری صدی ہجری کے معروف امام محمد بن اسحاقؒ کا بھی یہ یہی نقطہ نگاہ ہے؛ لہٰذا بیت العزت کے نزول کے بارے میں ہماری رائے یہی ہے کہ یہ ثابت نہیں اور لیلۃ القدر یا رمضان المبارک میں نزولِ قرآن کا مطلب یہ ہے ان مبارک ایام میں آسمانی ہدایت کا آخری نوشتہ رسالت مآب ﷺ پر نازل ہونا شروع ہوا۔

حواشی

[1] القدر 1:97 [2] البقرة 185:2 [3] آل عمران 3: 3

[4] محمد 47: 20

[5] الزبیدی، تاج العروس من جواهر القاموس : 9/15-228 ، دارالفکر، بیروت

[6] المؤمنون 29:23 [7] الفرقان 48:25

[8] فضل حسن عباس ، إتقان البرهان فی علوم القرآن:1/7-146،دارالفرقان عمان، اردن

[9] السجدة 2:32 [10] الزمر 1:39 [11] البقرة 176:2

[12] الشعراء 195,192:26 [13] آل عمران 7:3 [14] البقرة 75:2

[15] التوبة 6:9 [16] الفرقان 32:25

[17] ابن کثیر، جامع المسانید والسنن، رقم 10502، 335/8 ، دارخضر، بیروت، 1998؛ بیهقی ، الأسماء والصفات: ص203؛ ابن خزیمة، کتاب التوحید، ص:144

[18] ابو عبداللّٰه بن احمد بن حنبل، السنة؛ 281/1، دارابن قیم الامام 140

[19] ابن تیمیة ، شرح العقیدة الأصفهانیة؛ ص35، دارالکتب الإسلامیه

[20] المقدسی ، اختصاص القرآن: ص21، دارالجدیع

[21] ابن تیمیة، مجموع الفتاوی : 561/12

[22] مصنف ابن ابی شیبه ، 144/6 ، رقم 30199 ، مکتبة الرشد ریاض

[23] الطبرانی ، المعجم الکبیر: 32/12، مکتبة ابن تیمیة، القاهرة

[24] ابن عثیمین ، التفسیر الثمین : 63/2، مکتبة الطبری، القاهره، مصر،2009ء

[25] التفسیر الثمین: 527/14

[26] جار اللّٰه زمخشری، الکشاف عن حقائق عوامض التنزیل: 227/1، دارالکتب العربی، بیروت

[27] سید رشید رضا، تفسیر المنار:127/2، دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانی اعضا کی پیوندکاری

حافظ طاہر اسلام عسکری

گزشتہ ڈیڑھ دوسو برسوں میں دیگر شعبہ ہائے علم کی مانند میڈیکل سائنس نے بھی حیرت انگیز ترقی کی ہے، جس کی بہ دولت علاج معالجے کے ایسے طریقے دریافت ہوئے ہیں، جن کا تصور اس سے پہلے ممکن نہ تھا۔ انھی میں ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک مریض کے متاثرہ اعضا جراحت (Surgery) کے ذریعے دوسرے زندہ یا فوت شدہ شخص کے کارآمد اعضا سے تبدیل کیے جا سکتے ہیں۔ اسے اعضا کی پیوندکاری (Transplantation of Organs) کا نام دیا گیا ہے۔

اس سے جہاں افادیت وسہولت کے نئے باب وا ہوئے ہیں، وہیں شرعی پہلو سے یہ سوال بھی ابھر کر سامنے آیا ہے کہ دین ومذہب کی رو سے یہ طریقہ علاج جائز ہے یا ناجائز؟

یہ مسئلہ چوں کہ اپنی موجودہ صورت میں بالکل نیا ہے، بنا بریں قدیم فقہی ذخیرے میں اس کا حکم صراحتاً مذکور نہیں ہے؛ گویا یہ سراسر اجتہادی نوعیت کا قضیہ ہے۔ فقہاے عصر نے اس پر بہت کچھ بحث کی ہے اور پچھلی دو تین دہائیوں میں اس پر بہت سی کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ زیر قلم مضمون میں اس مسئلہ سے متعلق معاصر علما کی مختلف آرا اور ان کے دلائل کا تجزیہ کرتے ہوئے راجح نقطۂ نظر کی نشان دہی کی جائے گی۔ و باللّٰہ التوفیق.

اعضا کی پیوندکاری کے بارے میں اہل علم مختلف الخیال ہیں؛ بعض اسے جائز کہتے ہیں، جب کہ بعض کے نزدیک یہ ناجائز ہے؛ کچھ علما نے اس سلسلے میں توقف اختیار کیا ہے۔[1]

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-pewandkari.inp

قائلین جواز اور ان کے دلائل

جمہور ارباب علم کی رائے یہ ہے کہ اعضا کی پیوندکاری شرعاً جائز ہے؛ لیکن اسے وہ چند شرطوں سے مشروط کرتے ہیں، جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ ان علما میں شیخ عبد الرحمٰن بن سعدیؒ، شیخ ابراہیم الیعقوبیؒ[2] مفتیِ مصر شیخ حسن مامونؒ[3]، شیخ احمد ہریدیؒ[4]، شیخ جاد الحقؒ[5]، دکتور محمد سید طنطاویؒ[6]، دکتور نصر فرید واصلؒ (جامعہ ازہر، مصر)[7]، دکتور علی جمعہ محمد[8] دکتور احمد الطیب (موجودہ شیخ ازہر)[9] اور ڈاکٹر احمد شرف الدین[10] شامل ہیں۔

علماے برصغیر میں سے ڈاکٹر محمد عصمت اللہ[11]، مولانا محمد خالد سیف[12]، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی[13] اور مولانا مفتی محمد زاہد[14] اسی کے قائل ہیں۔

مختلف ممالک کے فقہی اداروں، فتویٰ کمیٹیوں اور اس موضوع پر منعقدہ عالمی سطح کی کانفرنسوں میں شریک علما نے بھی اسی موقف کو ترجیح دی ہے۔ اس سلسلے میں بین الاقوامی اسلامی کانفرنس، ملایشیا[15]، مجمع الفقہ الاسلامی (رابطہ عالم اسلامی)[16]، هيئة كبار العلماء، سعودی عرب[17] اور اسلامک فقہ کیڈمی، ہند[18] بہ طور خاص لائق ذکر ہیں۔ اسی طرح اردن[19]، کویت[20]، مصر[21] اور الجزائر[22] کی سرکاری فتویٰ کمیٹیوں نے بھی پیوندکاری کے جواز سے متعلق فتوے دیے۔

قائلین جواز نے اپنے نقطۂ نظر کے حق میں مختلف نقلی و عقلی دلائل دیے ہیں، جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ دلائل اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں؛ انھیں ڈاکٹر محمد المختار شنقیطی نے ترتیب کے ساتھ اپنی کتاب 'أحكام الجراحة الطبية' میں نقل کیا ہے؛ ہم نے اس مبحث میں زیادہ تر اسی کتاب کو سامنے رکھا ہے۔

قرآنی دلائل

اس ضمن میں قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے استدلال کیا جاتا ہے:

① ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ. (البقرة 173:2)

''اس نے تو بس تمھارے لیے مردار، خون، سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کے ذبیحہ کو حرام ٹھہرایا ہے۔ اس پر بھی جو مجبور ہو جائے اور وہ خواہش مند اور حد سے آگے بڑھنے والا نہ ہو تو اس کے لیے کوئی گناہ نہیں۔ اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

② خدا کا فرمان ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ..... فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (المائدۃ5:3)

''تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، ..... البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی چیز کھا لے، بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف اس کا میلان ہو، تو بے شک اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

③ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ . وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ . (الأنعام 6: 118-119)

''پھر اگر تم لوگ اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو جس جانور پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اس کا گوشت کھاؤ۔ آخر کیا وجہ ہے کہ تم وہ چیز نہ کھاؤ، جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو؟ حالاں کہ جن چیزوں کا استعمال حالت اضطرار کے سوا دوسری تمام حالتوں میں اللہ نے حرام کر دیا ہے، ان کی تفصیل وہ تمھیں بتا چکا ہے۔''

④ فرمانِ الٰہی ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ .

(الأنعام6: 145)

''اے نبیؐ! ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس آتی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو، الا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے، یا فسق ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبوری کی حالت میں (کوئی چیز ان میں سے کھا لے) بغیر اس کے کہ وہ نافرمانی کا ارادہ رکھتا ہو اور بغیر اس کے کہ وہ حد ضرورت سے تجاوز کرے، تو یقیناً تمھارا ربّ درگزر سے کام لینے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

مذکورہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ اضطرار میں حرام اشیا کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں اگر کوئی شخص مریض ہو اور اس کا علاج کسی عضو کی تبدیلی ہی پر موقوف ہو، تو وہ بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-pewandkari.inp

مجبور و مضطر کے حکم میں ہے؛ فلہٰذا اس کے لیے کسی دوسرے شخص کے عضو سے استفادہ جائز ہے۔[23]

یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ یہ آیات تمام حرام اشیا کے بارے میں عمومی حکم پر مشتمل ہیں، چاہے ان کا تعلق غذا سے ہو یا علاج معالجے سے؛ یعنی حالت اضطرار میں جس طرح حرام چیزیں بہ طور غذا استعمال ہو سکتی ہیں؛ علاج معالجے میں بھی ان کے استعمال کی رخصت ہے۔[24]

⑤ ارشاد ربانی ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا. (المائدۃ5:32)

''اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ: ''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔''

یہ آیت عام ہے؛ چناں چہ ہر وہ صورت جس سے دوسروں کی زندگی بچائی جا سکے، اس میں داخل ہے؛ اس لیے جو شخص اپنے ابنائے جنس کو کسی عضو کا عطیہ دے کر بچاتا ہے، وہ بھی اس آیت کریمہ کے تحت لائق ستائش اور اس کا عمل باعث اجر ہے۔[25]

مزید برآں جو شخص ہلاکت سے قریب ہو یا شدید تکلیف میں مبتلا ہو؛ اسے بہ قدرِ امکان و استطاعت اس سے نجات دلانے کی کوشش کرنا فرض کفایہ ہے؛ اگر کوئی بھی اسے ادا نہیں کرتا، تو سب گنہ گار ہوں گے۔[26]

⑥ فرمان خداوندی ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ..... (البقرۃ2: 185)

''اللہ تمھارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔''

⑦ نیز ارشاد ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا. (النساء4:28)

''اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے، کیوں کہ انسان کم زور پیدا کیا گیا ہے۔''

⑧ نیز فرمایا:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ. (المائدۃ5:6)

''اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑨ نیز فرمایا:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ . ''اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی.....''

(الحج78:22)

ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ خدا کا مقصود اپنے بندوں کو سہولت فراہم کرنا ہے نہ کہ مشقت میں مبتلا کرنا اور اعضا کی پیوندکاری میں مریضوں کے لیے آسانی اور سہولت کا پہلو موجود ہے، جو شارع کے مقصد سے مطابقت رکھتا ہے؛ بہ خلاف ازیں اگر اسے حرام ٹھہرایا جائے، تو یہ حرج و مشقت کا باعث ہے، جو نصوصِ شریعت کے مفاد سے متصادم ہے۔[27]

سنت سے دلائل

مسئلہ زیر بحث میں احادیثِ ذیل بہ طور دلیل پیش کی جاتی ہیں:

پہلی حدیث

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من استطاع منكم أن ينفع أخاه فليفعل. (مسلم، رقم2199) ''تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو کوئی فائدہ پہنچا سکے، تو اسے ایسا ضرور کرنا چاہیے۔''

ظاہر ہے کہ کسی مریض اور اس کے اہل خانہ کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی نفع نہیں ہوسکتا، کہ انھیں کسی سے ایسا عضو بہ طور عطیہ مل جائے، جس پر اس کی صحت یابی کا انحصار ہے؛ فلہٰذا دوسروں کی زندگی بچانے کی خاطر اپنے اعضا ہبہ کر دینا، فائدہ پہنچانے کی بہترین صورت ہے۔[28]

دوسری حدیث

حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

أصيب أنفي يوم الكلاب في الجاهلية، فاتخذت أنفا من ورق، فأنتن علي، فأمرني رسول الله ﷺ أن اتخذ أنفا من ذهب. (ترمذی، رقم1770) ''عہد جاہلیت میں کلاب کی جنگ کے موقع پر میری ناک کٹ گئی؛ میں نے چاندی کی ناک بنوائی، لیکن اس میں بدبو پیدا ہو گئی؛ تو نبی اکرم ﷺ نے مجھے سونے کی ناک لگوانے کا حکم دیا۔''

اس حدیث سے استدلال یوں ہے کہ مردوں کے لیے سونے کا استعمال اصلاً حرام ہے؛ لیکن نبی کریم ﷺ نے ناک کٹ جانے کی صورت میں اس کا استعمال مباح ٹھہرایا ہے، گویا اسے 'ضرورت' کے درجہ میں شامل فرمایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جان بچانے کے لیے اعضا کی منتقلی کو 'ضرورت' میں کیوں شمار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ewandkari.inp

نہیں کیا جا سکتا؟[29]

تیسری حدیث

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

إذا مات ابن ادم انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له. (ترمذی، رقم 1376)

''جب ابن آدم مرجاتا ہے، تو اس کا سلسلہ عمل منقطع ہوجاتا ہے؛ لیکن تین قسم کے اعمال باقی رہتے ہیں: صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے استفادہ جاری ہے، اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا گو ہے۔''

اگر کوئی شخص اپنے اعضا عطیہ کر جاتا ہے، تو جب تک ان سے دوسرا شخص فائدہ اٹھائے گا، اس حدیث کے بہ موجب وہ اس کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا۔[30]

عقلی دلائل

عقلی پہلو سے پیوندکاری کے جواز پر درج ذیل دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

① جس طرح خارش زدہ شخص کے لیے بہ طور علاج ریشم کا استعمال درست ہے؛ اسی طرح علاج کی خاطر انسانی اعضا کی منتقلی بھی جائز ہے؛ کیوں کہ دونوں کی علت یک ساں ہے۔[31]

② فقہا کے حسب تصریح اگر کسی شخص نے مرنے سے پہلے کسی کا ہیرا نگل لیا ہو، تو موت کے بعد اس کا پیٹ چاک کر کے وہ ہیرا نکالا جا سکتا ہے۔ اس کی روشنی میں دیکھا جائے تو ایک انسان کی زندگی بچانے کی غرض سے اعضا کی منتقلی بہ درجہ اولیٰ جائز ہے، کہ انسانی جان بہ اعتبارِ حرمت مال سے مقدم ہے۔[32]

③ علما نے بعض مصالح کے پیش نظر میت کے پوسٹ مارٹم کی اجازت دی ہے؛ اس پر قیاس کرتے ہوئے اعضا کی پیوندکاری کو بھی جائز کہا جائے گا، کیوں کہ دونوں ہی میں حاجت کا وجود مشترک ہے۔[33]

④ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تحسین وستائش کی ہے، جو کھانے پینے اور مال میں دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے اور اپنی احتیاج کے باوجود دوسروں کی خاطر ایثار وقربانی کا مظاہرہ کرتے ہیں؛[34] جب معمولی درجے کے امور میں شیوۂ ایثار لائق ستائش ہے، تو جو شخص اس مقصد کی خاطر اپنے اعضا عطیہ کرتا ہے کہ کسی دوسرے کی زندگی بچا سکے، وہ اس سے کہیں زیادہ مدح وتوصیف کا سزاوار ہے۔[35]

قواعد فقہیہ سے استدلال

انسانی اعضا کی پیوندکاری کے جواز پر حسب ذیل فقہی قواعد کو بھی مدارِ استدلال بنایا جاتا ہے:

① 'الضرر يُزَال' یعنی ''ضرر کا ازالہ کیا جائے گا۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

② 'الضرورات تبیح المحظورات' یعنی ''ضرورت ممنوع امور کو مباح کر دیتی ہے۔''

③ 'إذا ضاق الأمر اتّسع' یعنی ''جب کسی معاملے میں تنگی پیدا ہو جائے، تو اس میں وسعت آ جاتی ہے۔''

شرعی نصوص سے مستنبط ان قواعد سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص کسی ضرر میں مبتلا ہو، وہ اس کے ازالے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کرنے کا مجاز ہے، خواہ عام حالات میں وہ ممنوع ہی کیوں نہ ہو، چناں چہ؛

- پہلے قاعدے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مبتلاے ضرر سے اس ضرر رساں کیفیت کو دور کرنا، مقاصدِ شریعت میں داخل ہے۔
- دوسرے قاعدے سے یہ اصول ہاتھ آتا ہے کہ جب مکلّف حالتِ اضطرار میں ہو، تو اس کے لیے حرام معاملات بھی شرعاً جائز ہو جاتے ہیں۔
- تیسرا قاعدہ اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ اگر کسی شخص کو انتہائی مشقت کا سامنا ہو، تو اس کے لیے حکمِ شرعی میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔[36]

غور کیا جائے، تو پیوند کاری کے محتاج مریضوں پر یہ تینوں قواعد منطبق ہوتے نظر آئیں گے۔

④ 'إذا تعارض مفسدتان، روعی أعظمهما ضررًا بارتكاب أخفهما'، یعنی ''جب دو مفسدوں میں تعارض ہو، تو بڑے مفسدہ کے ضرر سے بچنے کے لیے کم تر مفسدے کو گوارا کیا جائے گا۔''

مذکورہ قاعدے کا مفہوم واضح ہے کہ اگر ایسی صورتِ حال درپیش ہو، جس میں دو نقصان دہ امور میں سے ایک کو بہ ہر آئینہ اختیار کرنا پڑے، تو اسے گوارا کیا جائے گا، جو کم ضرر رساں ہو۔ اب پیوند کاری کے مسئلے میں دیکھیے، تو ایک طرف یہ مفسدہ ہے کہ اگر زندہ شخص سے عضو لیا تو اسے کچھ نہ کچھ تکلیف پہنچے گی یا میت سے لیا جائے، تو اس کے جسم میں قطع و برد کرنا ہوگی، جو بجاے خود ناپسندیدہ ہے۔ دوسری جانب جاں بہ لب مریض ہے کہ اگر اسے مطلوبہ عضو نہ ملا، تو اس کی زندگی کا بچنا محال ہے؛ اس صورت میں مذکورہ قاعدہ کی رہنمائی یہ ہے کہ زندہ یا فوت شدہ شخص سے عضو لے کر مریض کو منتقل کر دیا جائے، کیوں کہ ایسا نہ کیا گیا تو وہ ہلاک ہو جائے گا، جو معمولی تکلیف یا میت کے قطعِ عضو سے کہیں زیادہ سنگین معاملہ ہے۔[37]

اقوالِ فقہا

فقہاے قدیم کے بعض اقوال سے بھی پیوند کاری کے جواز پر دلیل دی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک قول اوپر پیش کیا جا چکا ہے کہ کسی کا ہیرا نگل کر مر جانے والے کا پیٹ چیر کر اسے نکالا جا سکتا ہے۔ اسی طرح شوافع کی راے میں اگر کسی زندہ شخص کی ہڈی ٹوٹ جائے، تو اسے مردہ کی ہڈی سے تبدیل کیا جا سکتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ewandkari.inp

ہے۔[38] اس سے واضح طور پر اس امر کا جواز نکلتا ہے کہ فوت شدہ شخص کے اعضا زندہ کو منتقل کیے جا سکتے ہیں۔[39]

اس کے علاوہ بھی بعض فقہی جزئیات ہیں، جن کا تذکرہ آیندہ آئے گا۔

پیوندکاری کے جواز کی شرطیں

اعضا کی منتقلی اور پیوندکاری کو جائز کہنے والے علما نے اس کے لیے درج ذیل شرطوں کا لحاظ ضروری قرار دیا ہے:

① جس شخص کو عضو دیا جا رہا ہے وہ اس کا ضرورت مند ہو اور اس کے لیے مجبور و مضطر ہو؛ یعنی اس کی زندگی یا جسم کے کسی نظام کی سلامتی اس عضو پر موقوف ہو۔ مذکورہ اضطرار و ضرورت کی تصدیق ایک ایسے بورڈ کی جانب سے ہونا چاہیے، جس کے تدین، علم اور تجربہ پر اعتماد کیا جا سکے۔

② عضو دینے والا اس پر رضامند ہو اور بغیر کسی جبر و اکراہ مریض کو عطیہ دینے کے لیے آمادہ ہو۔

③ میت کے اعضا کی منتقلی کے لیے ضروری ہے کہ اس نے مرنے سے پہلے اس کی اجازت دی ہو۔ موت کے بعد اس کے اہل خانہ اور ورثا کا اذن بھی لازم ہے؛ اگر میت لاوارث ہے تو ذمہ دار اتھارٹی سے اس کی اجازت درکار ہوگی۔

④ زندہ شخص کے لیے اپنا کوئی ایسا عضو عطیہ کرنا جائز نہ ہوگا، جو زندگی کے لیے بنیادی حیثیت کا حامل ہو؛ یا اس سے اس کی زندگی معرضِ خطر میں پڑ جائے؛ خواہ وہ اس پر راضی ہی کیوں نہ ہو۔

⑤ عضو کی اس منتقلی سے عطیہ دہندہ کے جسم میں کوئی غیر معمولی بدنمائی پیدا نہ ہونے پائے۔

⑥ تبدیلیِ عضو محض رضاکارانہ ہو؛ کوئی مالی معاوضہ یا مادی مفاد پیش نظر نہ ہو۔

⑦ یہ امر یقینی ہو کہ منتقلی اعضا کا عمل کامیاب رہے گا اور اس سے مریض کی صحت یابی کا قوی امکان ہے۔[40]

مانعین کے دلائل اور ان کا تجزیہ

اہل علم کا ایک گروہ اعضا کی پیوندکاری کو درست نہیں سمجھتا؛ اس میں معروف مفسر شیخ محمد متولی الشعراویؒ[41]، شیخ محمد بن صالح عثیمینؒ[42]، شیخ عبداللہ بن صدیق الغماریؒ[43]، شیخ حسن بن علی السقاف[44] اور ڈاکٹر عبدالسلام عبدالرحیم السکری[45] کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔

برصغیر پاک و ہند کے علما کی ایک بڑی تعداد بھی اسی موقف کی قائل ہے؛ چناں چہ مولانا مفتی محمد شفیعؒ[46]، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ[47]، پیر سید محبّ اللہ شاہ راشدیؒ[48] اور مولانا برہان الدین سنبھلی[49] کے نزدیک انسانی اعضا کی پیوندکاری شرعاً ممنوع ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مانعین نے اپنے موقف پر کتاب وسنت، قیاس، قواعد فقہیہ اور ائمہ مجتہدین کے اقوال سے استدلال کیا ہے؛ سطور ذیل میں ان دلائل کی تفصیل اور ان کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

قرآنی دلائل

انسانی اعضا کی پیوندکاری کے عدمِ جواز پر آیاتِ ذیل کو مدارِ استنباط بنایا گیا ہے:

① اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ..... (البقرۃ 195:2) ''اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو''

اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں امر اس سے روکا ہے کہ ہم خود کو ہلاکت میں ڈالیں اور اپنے اعضا دوسروں کو منتقل کرنا درحقیقت خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس آیت میں لفظ 'تھلکۃ' یعنی ہلاکت اپنے دامن میں عمومیت لیے ہوئے ہے؛ بنابریں مذکورہ آیت کی روشنی میں ہر ایسا اقدام جو باعثِ ہلاکت ہو، ممنوع قرار پاتا ہے؛ کیوں کہ اصولِ فقہ کا ضابطہ ہے: 'العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب'، یعنی 'لفظ کے عموم کا اعتبار ہوگا اور سبب کی خصوصیت کو نظر انداز کیا جائے گا'۔[50]

تجزیہ

اس ضمن میں تین باتیں قابل غور ہیں:

پہلی یہ کہ یہ آیت شریفہ محل نزاع سے خارج ہے، کیوں کہ اعضا کی پیوندکاری کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ جس سے عضو لیا جائے، اسے اس نوع کا ضرر نہ پہنچنے پائے، جو اس کے لیے باعثِ ہلاکت ہو۔ مزید برآں اس سلسلے میں اطبا کا قول حجت ہے اور ان کا فیصلہ یہ ہے کہ عضو کی منتقلی لازماً موت و ہلاکت کا باعث نہیں ہوتی۔

دوسری یہ کہ ہلاکت کا اندیشہ اس صورت میں ہے، جب زندہ شخص کا کوئی عضو قطع کیا جائے؛ لیکن اگر فوت شدہ انسان کے اعضا لیے جائیں، تو یہ خطرہ بھی نہیں رہتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس استدلال کو الٹ دیا جائے تو بالکل برعکس نتیجہ نکلے گا؛ وہ اس طرح کہ اگر کوئی شخص مریض کو مطلوبہ عضو، جس پر اس کی زندگی کا بہ ظاہر انحصار ہے، عطیہ دینا چاہے اور یہ انکار کر دے، تو یہ گویا اپنے آپ کو قعرِ ہلاکت میں گرا رہا ہے، جو اس آیت کی روشنی میں حرام ہے؛ پس اسے لازماً اس عضو کا عطیہ قبول کرنا چاہیے، تاکہ اس کی زندگی بچ سکے۔[51]

② سورۂ نسا میں قولِ شیطان کی حکایت کے ضمن میں ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ewandkari.inp

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ . (النساء 119:4) ''اور میں اُنھیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے خدائی ساخت میں ردوبدل کریں گے۔''

مذکورہ آیت سے استدلال یوں ہے کہ اعضا کی قطع و برد 'تغییر خلق اللّٰہ' کے زمرے میں آتی ہے، پیوندکاری کے لیے اعضا کاٹنا بھی اسی میں داخل ہے؛ فلہٰذا یہ حرام ہے۔[52]

تجزیہ

یہ استدلال بھی کم زور ہے۔ اس آیت کریمہ میں جس فعل سے روکا گیا ہے؛ وہ یہ ہے کہ بلا ضرورت و حاجت اعضا کاٹے جائیں؛ جب کہ علاج کی خاطر اعضا کی پیوندکاری شدید درجے کی ضرورت ہے، چناں چہ وہ اس سے مستثنا ہے۔[53]

③ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا. (الاسراء 70:17)

''یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انھیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔''

مندرجہ بالا آیت سے اعضا کی پیوندکاری کی حرمت پر استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ خدا نے انسان کو عزت و تکریم بخشی ہے، جو نہ صرف زندگی کی حالت میں اسے حاصل ہے؛ بل کہ موت کے بعد بھی اس کی رعایت ضروری ہے اور انسانی جسم سے کوئی عضو قطع کر لینا اس کی تکریم و تعظیم کے منافی ہے۔[54]

تجزیہ

پیوندکاری کی ممانعت کے دلائل میں تکریمِ انسانیت کی دلیل بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور قریباً سبھی مانعین نے اسے پیش کیا ہے؛ اس لیے ہم اس پر قدرے تفصیل سے گفت گو کریں گے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ترقیم فرماتے ہیں:

''اس تکریم انسانی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انسان اپنی خوراک اور علاج و دوا کے لیے بے شمار چیزوں کو کاٹ چھانٹ کر یا کوٹ پیس کر اپنے کام میں لاسکتا ہے؛ مگر کسی انسان کے جز اور عضو کے ساتھ یہ معاملہ جائز نہیں، کیوں کہ وہ تکریم انسان کے خلاف ہے؛ اس کے اجزا کا لین دین، بیع و شرا عام اشیا کی طرح جائز نہیں۔''[55]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''اگر انسان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہو کہ اس کی کھال اور بال اور اعضا کو قطع و برید کر کے استعمال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا جائے، تو یہ انسانی شرافت وتکریم اور منشائے تخلیق کائنات کے بالکل منافی ہے؛ اسی لیے انسانی اعضا کی خرید وفروخت' کاٹ تراش کر استعمال کو سنگین جرم اور سخت حرام قرار دیا ہے۔''[56]

مفتی صاحب مرحوم نے یہ تصریح بھی فرمائی کہ تکریم انسانی کا یہ پہلو زندہ ومردہ، کافر ومسلم سب کے لیے یک ساں ہے؛ وہ رقم طراز ہیں:

''شریعتِ اسلام نے صرف زندہ انسان کے کارآمد اعضا ہی کا نہیں، بل کہ قطع شدہ بے کار اعضا و اجزا کا استعمال بھی حرام قرار دیا ہے؛ اور مردہ انسان کے کسی عضو کی قطع و برید کو بھی ناجائز کہا ہے؛ اور اس معاملہ میں کسی کی اجازت اور رضا مندی سے بھی اس کے اعضا و اجزا کے استعمال کی اجازت نہیں دی؛ اور اس میں مسلم وکافر سب کا حکم یک ساں ہے؛ کیوں کہ یہ انسانیت کا حق ہے، جو سب میں برابر ہے.....''۔[57]

اس سلسلے میں بعض فقہی جزئیات بھی پیش کی جاتی ہیں، جن میں بہ وجہٖ کرامت انسانی اعضا یا اجزا کے استعمال سے منع کیا گیا ہے؛ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

وشعر الانسان و الإنتفاع به، ای لم یجز بیعه و الإنتفاع به، لأن الآدمی مکرم غیر مبتذل، فلا یجوز أن یکون شئ من أجزائه مهانًا مبتذلاً.[58]

''انسانی بالوں کی خرید وفروخت اور اُن سے استفادہ جائز نہیں؛ کیوں کہ آدمی لائقِ تکریم ہے، نہ کہ کوئی قابل صَرف شے؛ چناں چہ اس کے اجزا میں سے کسی شے کا استعمال بھی ناجائز ہے اور اس کی تذلیل واہانت بھی حرام۔''

آگے لکھا ہے:

ان شعر الآدمی لا ینتفع به اکراماً للإنسان، قیل: الإنتفاع بأجزاء الآدمی لم یجز لنجاسته، وقیل للکرامة، وهو الصحیح[59].

''آدمی کے بالوں سے استفادہ بہ وجہٖ کرامت درست نہیں؛ ایک قول یہ ہے کہ اجزاے آدمی سے فائدہ اُٹھانا اس کی نجاست کی بنا پر ناجائز ہے؛ جب کہ دوسرے قول کے مطابق اس کی علت تکریم انسانی ہے اور یہی درست ہے۔''

اعضا کی پیوندکاری اور منتقلی کی حرمت پر تکریم انسانیت سے استدلال آپ نے ملاحظہ فرمایا؛ ہماری نگاہ میں اس دلیل کے حوالے سے چند نکات کی تنقیح وتوضیح ضروری ہے۔

تکریم انسانیت کا مفہوم

پہلا تنقیح طلب نکتہ یہ ہے کہ تکریم انسانی سے کیا مراد ہے؟

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ قرآن حکیم نے انسانی تکریم وشرافت پر بہت زور دیا ہے اور اس کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ewandkari.inp

رعایت ہر حال میں ضروری ہے۔لیکن سوال یہ ہے کہ کیا قرآن وحدیث میں تکریم وتعظیمِ انسانی کی کوئی خاص صورت بھی متعین کی گئی ہے؟

ہمیں ان اربابِ علم کی رائے سے اتفاق ہے، جن کا کہنا ہے کہ کتاب وسنت نے تکریم واہانت کے سلسلے میں کوئی بے لچک حدود مقرر نہیں کی ہیں؛[60] لہٰذا نصوص نے جن امور کو مبہم رکھا ہے اور ان سے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا؛ ان کی تعیین عرف وعادت کی روشنی میں کی جائے گی۔ارباب اصول نے اس ضابطے کی تصریح فرمائی ہے؛ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

و قال الفقهاء ايضا كل ما ورد به الشرع مطلقا، ولا ضابط له فيه، و لا فى اللغة، يرجع فيه إلى العرف كالحرز فى السرقة.[61]

''فقہا نے کہا ہے کہ جو چیز شریعت میں مطلقاً بیان ہوئی ہے اور اس سے متعلق شریعت میں کوئی ضابطہ ہے، نہ لغت میں؛ تو اس کے لیے عرف کو دیکھا جائے گا؛ مثلاً یہ کہ سرقہ میں حفاظت کا مصداق کیا ہے۔''

گویا عزت وحرمت کی تعیین وتشکیل عرف ورواج پر منحصر ہے؛ کیوں کہ اس کے بارے میں شریعت نے کوئی مخصوص ضابطہ طے نہیں کیا۔اس مقام پر یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ جو معاملات عرف وعادت پر اساس وپذیر ہوں؛ عرف کے بدلنے سے ان میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔امام ابواسحاق شاطبیؒ رقم طراز ہیں:

و المتبدلة منها ما يكون متبدلاً فى العادة من حسن إلى قبح و بالعكس، مثل كشف الرأس فانه يختلف بحسب البقاع فى الواقع، فهو لذى المروات قبيح فى البلاد المشرقية، و غير قبيح فى البلاد المغربية؛ فالحكم الشرعى يختلف باختلاف ذلك، فيكون عند أهل المشرق قادحًا فى العدالة، و عند أهل المغرب غير قادحٍ.[62]

''جو امور متبدل ہیں؛ ان میں بعض حسن سے قبیح میں بدل جاتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے، مثلاً ننگے سر رہنا؛ اس کا حکم خطوں کے حساب سے بدلتا رہتا ہے؛ چناں چہ بلادِ شرق میں اہل آداب اسے ناپسند سمجھتے ہیں؛ جب کہ بلاد مغرب میں اسے قبیح نہیں گردانا جاتا؛ پس اس اختلاف کی بنا پر شرعی حکم بھی مختلف ہوگا؛ یعنی اہلِ مشرق کے ہاں برہنہ سر رہنا عدالت وکردار میں باعثِ قدح ہوگا، لیکن اہلِ مغرب کی نظر میں یہ وجہِ جرح نہ ہوگا۔''

اس اصول کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مریض کی زندگی بچانے کے لیے انسانی اعضا کا عطیہ دینا تکریم انسانیت کے منافی نہیں، کیوں کہ فی زمانہ اسے لائقِ مدح سمجھا جاتا ہے؛ اور جو شخص دوسروں کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے اعضا ہبہ کرتا ہے، اسے معاشرے میں انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسی سے متقدمین کے ان فقہی جزئیات کی بھی توجیہ ہو جاتی ہے، جن میں انسانی اجزا کے استعمال کو باعث اہانت قرار دیا گیا ہے کہ یہ تصور دراصل اس عصر و عہد کے عرف و رواج سے مطابقت رکھتا تھا؛ موجودہ دَور میں صورتِ حال یک سر بدل چکی ہے؛ فلہٰذا فتویٰ بھی بدل جائے گا۔

ہماری رائے میں یہ مشہور فقہی قاعدہ بھی اسی نوعیت سے متعلق ہے کہ 'لا ینکر تتغیر الأحکام بتغیر الزمان و المکان'، یعنی 'اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ زمان و مکان کی تبدیلی سے احکام بھی متغیر ہو جاتے ہیں'۔ اس قاعدے میں 'احکام' سے وہی مسائل مراد ہیں، جن کا تعلق عرف و رواج سے ہے؛ ان کی تبدیلی کو دوسرے لفظوں میں 'تغیر فتویٰ' سے تعبیر کرنا چاہیے۔[63]

بعض اہل علم نے عطیۂ اعضا کے تناظر میں تکریم میت سے متعلق یہ نکتہ بھی اجاگر کیا ہے کہ اس میں درحقیقت فوت شدہ شخص کی حسی و معنوی تعظیم کا پہلو پایا جاتا ہے۔ حسی تکریم تو اس بنا پر کہ اگر وہ کسی مسلمان کو اپنا کوئی عضو ہبہ کر دیتا ہے، تو وہ گلنے سڑنے کے بجائے مزید عرصے کے لیے باقی رہے گا اور زندہ مسلمان خدا کی اطاعت و عبادت میں اس سے مدد لیتا رہے گا، جو تعظیم ہی کی ایک صورت ہے۔

معنوی تکریم یہ ہے کہ اس میں عطیہ دہندہ کے لیے اجر و ثواب ہے، جو اسے خدا کی جانب سے عطا کیا جائے گا۔[64]

تحفظِ انسانیت یا تکریمِ انسانیت

تکریم انسانیت کی بحث میں یہ سوال بھی غور و فکر کی سطح پر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ اگر کسی انسانی جان کے تحفظ و بقا کا مسئلہ درپیش ہو تو کیا اس صورت میں تکریم میت کے تقاضوں کو نظرانداز کیا جاسکتا ہے؟ بہ الفاظِ دیگر کیا زندہ شخص کی زندگی کا تحفظ تکریم انسانیت کے مقصد کو پورا کرتا ہے یا میت کے جسد خاکی کی حفاظت ہی تعظیم انسانی کا اقتضا ہے؛ خواہ ایک زندگی ہی کو داؤ پر کیوں نہ لگانا پڑے؟

شریعت کی عمومی تعلیمات اور عقلِ سلیم سے اس سوال کا یہ جواب ملتا ہے کہ اس صورت میں مریض کی حیات کے تحفظ و بقا کو ترجیح دی جائے اور فوت شدہ شخص کے جسم کی حرمت و کرامت پر بہ ظاہر کوئی زد پڑتی ہے، تو اسے بہ درجہ مجبوری گوارا کر لیا جائے؛ خاص طور سے جب اس فوت شدہ شخص نے بہ رضا و رغبت اپنے اعضا دوسروں کو عطیہ کر دیے ہوں۔

علماے اسلام کے حسب تصریح پانچ چیزیں ایسی ہیں، جن کی حفاظت اسلامی شریعت کا اولین مطمح نظر ہے؛ انھیں 'ضروریاتِ خمسہ' سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ یہ درج ذیل ہیں:

① دین ② انسانی جان ③ عقل ④ نسل ⑤ مال۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ewandkari.inp

ان میں یہی ترتیب ملحوظ رکھی جائے گی؛ چناں چہ 'حفاظت دین' کے بعد انسانی جان کے تحفظ کا درجہ ہے؛ گویا دیگر امور کے مقابلے میں اسے مقدم رکھا جائے گا۔[65]

اس پہلو سے دیکھا جائے تو یہی بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مریض کی زندگی بچانے کی کوشش کی جائے؛ نہ کہ 'تکریم میت' کے نام پر اسے لقمۂ اجل بننے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ بعض فقہی جزئیات سے بھی ہمارے نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے؛ چناں چہ 'تحفة الفقهاء' میں ہے:

لو أن حاملاً ماتت و في بطنها ولد يضطرب، فان كان غالب الظن أنه ولد حي، وهو في مدة يعيش غالبًا، فإنه يشق بطنها، لأن فيه إحياء الآدمي، فترك تعظيم الآدمي أهون من مباشرة سبب الموت.[66]

''اگر کوئی حاملہ مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ حرکت کرتا ہو؛ اگر ظن غالب یہ ہو کہ وہ بچہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے، جس میں عام طور پر بچہ زندہ رہ جاتا ہے، تو اس حاملہ کا پیٹ چاک کیا جائے گا، کیوں کہ اس میں ایک انسان کی زندگی کا بچاو ہے؛ اور زندہ شخص کی موت کا سبب بننے سے بہتر ہے کہ آدمی کی تعظیم وتکریم کے تقاضوں سے صرفِ نظر کرلیا جائے۔''

غور کیجیے کہ فقہا نے فوت شدہ انسان کی حرمت وکرامت کے مقابلے میں زندگی بچانے کو زیادہ اہم سمجھا ہے۔' لأن ذالك تسبب في إحياء نفس محترمة بترك تعظيم الميت '.[67]

اسی طرح شدید بھوک کی صورت میں جب کھانے کے لیے کوئی شے میسر نہ ہو اور موت کا خطرہ ہو، تو ارباب فقہ کے ایک گروہ نے اجازت دی ہے کہ مردہ انسان کا گوشت کھا کر جان بچائی سکتی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ زندہ کی حرمت 'میت سے بڑھ کر ہے۔ فقہ حنبلی کی معروف کتاب 'المغنی' میں ہے:

و قال الشافعي و بعض الحنفية يباح و هو أولى لأن حرمة الحي أعظم.[68] یعنی امام شافعیؒ اور بعض حنفی علما کی نظر میں یہ مباح ہے اور یہی بہتر ہے، کیوں کہ مردہ کی بہ نسبت زندہ شخص زیادہ لائق تکریم ہے۔

فقہاے حنابلہ میں سے ابوالخطابؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔[69]

مفسر قرطبیؒ رقم طراز ہیں:

ثم إذا وجد المضطر ميتة و خنزير أو لحم ابن آدم، أكل الميتة لأنّها حلال في حال، والخنزير و ابن آدم لا يحل بحال، و لا

''اگر مجبور ولاچار شخص مردار، خنزیر یا انسانی گوشت پائے، تو اسے مردار کھانا چاہیے؛ کیوں کہ یہ بعض حالات میں جائز ہوتا ہے، لیکن سور اور انسان کسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يأكل ابن آدم و لو مات، قاله علما نا و به قال أحمد و داوٗد..... و قال الشافعي يأكل لحم ابن آدم.[70]

صورت میں حلال نہیں، لہٰذا انسان کو نہ کھائے، خواہ موت کے منہ میں چلا جائے۔ یہ ہمارے علما کا قول ہے، نیز احمدؒ اور داؤدؒ کا بھی یہی موقف ہے .....البتہ امام شافعیؒ کا فتویٰ ہے کہ وہ انسانی گوشت کھا سکتا ہے۔''

مذکورہ اقتباس سے پتا چلتا ہے کہ اگرچہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، لیکن کئی محقق علما اس کے قائل ہیں؛ چناں چہ قاضی ابن العربیؒ بھی، جو مشہور مالکی فقیہ، محدث اور مفسر ہیں، اس ضمن میں شافعیوں سے متفق ہیں؛ ان کا کہنا ہے کہ اگر انسانی گوشت کھانے سے زندگی بچنے کی امید ہو، تو کھالے۔'الصحيح عندی أن لا يأكل الآدمی إلّا إذا تحقق أن ذلك ينجيه و يحييه.'[71]

سنت سے دلائل

پیوندکاری کی ممانعت پر درج ذیل حدیثوں سے استدلال کیا جاتا ہے:

پہلی حدیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

لما هاجر النبی ﷺ إلى المدينة هاجر إليه الطفيل بن عمرو، و هاجر معه رجل من قومه، فاجتووا المدينة فمرض، فجزع فاخذ مشاقص فقطع بها براجمه فشخبت يداه، حتى مات، فرآه الطفيل بن عمرو فی منامه، و هيئته حسنة، ورآه مغطيًا يديه، فقال له: ما صنع بك؟ قال: غفر لی بهجرتی إلى نبيه ﷺ، فقال: مالی أراك مغطيًا يديك؟ قال لی: لن نصلح منك ما أفسدتَ، فقصها الطفيل علی رسول الله ﷺ، فقال رسول الله ﷺ: اللّٰهم و ليديه فاغفر. (مسلم، رقم 116)

''جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ایک شخص کے ساتھ مہاجر ہو کر مدینہ تشریف لائے۔ وہ شخص مدینہ کی ناموافق ہوا کی وجہ سے بیمار پڑ گیا؛ بیماری کے دوران شدتِ تکلیف کو برداشت نہ کرتے ہوئے اس نے ایک نیزے سے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں، جس سے اس قدر خون بہا کہ اس کی موت واقع ہوگئی۔ طفیل بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے اسے خواب میں دیکھا اور اس کی حالت قابل رشک تھی، لیکن وہ اپنے ہاتھوں کو چھپائے ہوئے تھا۔ میں نے سوال کیا: آپ کے رب نے آپ سے کیسا معاملہ فرمایا؟ وہ کہنے لگا نبی ﷺ کی طرف ہجرت کی برکت سے مجھے معاف کر دیا گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ewandkari.inp

طفیل کہنے لگے آپ کے ہاتھوں کا کیا معاملہ ہے؛ انھیں کیوں چھپا رکھا ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ مجھے یہ کہا گیا کہ ہم اسے درست نہیں کریں گے، جسے خود آپ نے بگاڑا ہے۔ طفیل کہتے ہیں، میں نے یہ بات آقاے کائنات کی خدمت میں عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ اس کے ہاتھوں کو بخش دے۔''

اس حدیث سے یہ نکتہ مستنبط کیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے اعضا میں تصرف کرتے ہوئے، انھیں کاٹ ڈالے؛ اسے روزِ قیامت بہ طورِ سزا ناقص حالت میں اُٹھایا جائے گا، جیسا کہ 'لن نصلح منك أفسدت' کے الفاظ سے ظاہر ہے؛ دوسروں کو اپنے اعضا ہبہ کرنے والے بھی اسی عموم کے تحت داخل ہیں۔[72]

تجزیہ

ہمارے خیال میں یہ قطعی بے محل استدلال ہے؛ حدیث میں جس شخص کا تذکرہ ہے، اس کا اقدام محض تکلیف کی شدت سے بچنے کے لیے تھا؛ پھر یہ باقاعدہ علاج کی صورت نہ تھی، بل کہ ایک بے چین ومضطرب کے اضطراب و بے کلی کا انتہائی نامناسب اور غیر دانش مندانہ اظہار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مانعین کے ادعا کے برعکس شارحینِ حدیث نے اسے خودکشی کی کوشش کے زمرے میں داخل کیا ہے۔[73] محدث نوویؒ، جنھوں نے صحیح مسلم کی شہرہ آفاق شرح 'المنہاج' لکھی ہے، مذکورہ حدیث پر ان الفاظ میں عنوان قائم کرتے ہیں: 'باب الدليل على ان قاتل نفسه لا يكفر'، پھر اس حدیث کی تشریح میں رقم طراز ہیں:

ففيه حجة لقاعدة عظيمة لأهل السنة، أن من قتل نفسه، أو ارتكب معصية غيرها، و مات من غير توبة، فليس بكافر، و لا يقطع له بالنار، بل هو فی حكم المشيئة..... وفيه إثبات عقوبة بعض أصحاب المعاصی، فإن هذا عوقب فی يديه، ففيه رد على المرجئة القائلين بأن المعاصی لاتضر.[74]

''اس حدیث سے اہل سنت کا ایک عظیم الشان اصول ثابت ہو رہا ہے کہ جو شخص خود کو قتل کر ڈالے یا اس کے علاوہ کسی اور معصیت کا مرتکب ٹھہرے اور توبہ کیے بغیر مر جائے، تو وہ کافر ہوگا، نہ ہی بالجزم اس کی نسبت دوزخ کی طرف کی جائے گی، بل کہ اس کا انجام مشیت خداوندی پر منحصر ہے۔ مذکورہ حدیث سے اس امر کا بھی اثبات ہوا کہ کچھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گنہ گار سزا سے دوچار ہوں گے۔ چناں چہ مذکورہ
شخص کو بھی ہاتھوں کی تکلیف کے ذریعے سزا ملی؛
فلہٰذا اس میں رد ہے، اصحابِ ارجا کا، جن کے زعم
میں امورِ معصیت سرے سے نقصان دہ نہیں۔''

امام نوویؒ کی اس وضاحت سے یہ امر نکھر کر سامنے آتا ہے کہ شخصِ مذکور کا عمل گناہ و معصیت کے دائرے میں آتا ہے؛ کیوں کہ اس میں صرف نقصان و ضرر ہی کا پہلو تھا اور دوسروں کے لیے فائدہ تو کجا، خود اس کے لیے بھی باعثِ ہلاکت ثابت ہوا۔ اب دوسروں کے لیے اپنے اعضا عطیہ کرنے کے عمل پر غور کیجیے؛ اس میں نہ صرف یہ کہ ایک مریض کی زندگی کا تحفظ ہے، بل کہ خود عطیہ دہندہ کے لیے بھی اجر و ثواب اور اعزاز و اکرام ہے؛ اس پر مستزاد یہ کہ اس کی جان کو بھی خطرہ نہیں، جیسا کہ تجربات اس پر شاہد ہیں؛ پس اس حدیث سے پیوند کاری یا عطیۂ اعضا کی حرمت پر استدلال درست نہیں۔

دوسری حدیث

سیدہ اسما بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک خاتون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: ''اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم! میری بیٹی دلھن بننے جا رہی ہے؛ چیچک کی بنا پر اس کے بال گر گئے ہیں؛ کیا میں اسے مصنوعی بال دوں؟''، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لعن اللہ الواصلة والمستوصلة''، ''اللہ تعالیٰ نے بال لگانے والی اور لگوانے والی ہر دو پر لعنت فرمائی ہے۔'' (مسلم، رقم 2122)

پیوند کاری کے مانعین کا کہنا ہے کہ دوسری عورتوں کے بال لگوانے والی عورت پر لعنت کی گئی ہے؛ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے اجزاے جسمانی سے استفادہ ناجائز ہے؛ خواہ اپنا عضو یا جز دینے والے کے لیے وہ باعث ضرر نہ بھی ہو۔[75]

تجزیہ

اس حدیث کے حوالے سے علما نے درج ذیل دو باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے:

پہلی یہ کہ اس میں اجزاے انسانی سے ایسے انتفاع کو منع کیا گیا ہے، جو انسان کے لیے 'ضرورت' کا درجہ نہ رکھتا ہو، بل کہ محض تزئین و آرایش کے جذبات کی تسکین اس سے مقصود ہو؛ جب کہ اعضا کی پیوند کاری 'ضرورت' یا 'حاجت' کے درجے میں ہے؛ فلہٰذا وہ اس حدیث کے حکم سے مستثنا ہے۔[76]

دوسری یہ کہ مصنوعی بال لگوانے میں ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ اس سے دوسرے لوگ دھوکے میں مبتلا ہو سکتے ہیں؛ مثلاً شادی کے موقع پر دولھا یا دلھن نے مصنوعی بال لگوائے ہوں، تو دوسرا فریق دھوکے کا شکار ہو جائے گا، جو شرعاً ممنوع ہے؛ بہ خلاف ازیں پیوند کاری علاج کی ایک صورت ہے، جس میں دھوکے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ewandkari.inp

کا اندیشہ نہیں۔[77]

تیسری حدیث

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو لشکر کا امیر مقرر کرتے، تو اسے بہ طورِ خاص تقویٰ کی تلقین فرماتے؛ ساتھی مسلمانوں کے باب میں حسن سلوک کی تاکید کرتے؛ اور پھر یہ ہدایت دیتے:

اغزوا باسم الله فی سبیل الله، قاتلوا من کفر بالله، اغزوا ولا تغلوا، ولا تغدروا ولا تمثلوا ..... (مسلم، رقم،1731)

''اللہ کا نام لے کر جہاد کرو نیز اللہ کے راستے میں اس شخص سے لڑو، جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا۔ جہاد کرو؛ مالِ غنیمت میں سے چوری نہ کرو؛ بدعہدی نہ کرو اور مثلہ نہ بناؤ۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشادِ گرامی کو مدارِ استدلال ٹھیراتے ہوئے مانعین کہتے ہیں کہ اس میں مثلہ کی ممانعت فرمائی گئی ہے؛ اور انسان کا عضو کاٹنا ہی مثلہ ہے، چاہے اس کا مقصد کچھ بھی ہو؛ لہٰذا پیوندکاری بھی ممنوع ہے، کیوں کہ یہ مثلے کے ضمن میں آتی ہے۔[78]

تجزیہ

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہاں مانعین کے اشہبِ استدلال نے پھر ٹھوکر کھائی ہے؛ کیوں کہ مجرد کسی عضو کے قطع کرنے کو 'مثلہ' نہیں کہا جاتا؛ بل کہ اس میں عقوبت وسزا کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے، جیسا کہ اربابِ لغت نے صراحت کی ہے۔[79]

حدیث کے سیاق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بہ طور عبرت وانتقام مقتولین کے اعضاے جسم مثلاً ناک، کان وغیرہ کاٹنا ہی مثلہ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے مثلہ کی ایک اور صورت کا بھی تذکرہ کیا ہے؛ انھوں نے لکھا ہے کہ عرب زندہ جانور کے جسم سے گوشت کاٹ لیتے تھے، اسے 'مثلہ' کہا جاتا تھا۔[80]

ظاہر ہے اس میں جانور کے لیے انتہائی تکلیف وضرر ہے، جو کسی طور گوارا نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن پیوندکاری کے لیے کسی کا عضو لینے میں ایسی تکلیف یا نقصان کا پہلو نہیں پایا جاتا، بل کہ ماہر سرجن انتہائی احتیاط سے یہ عمل سرانجام دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شریعت نے اعمال وافعال کو مقاصد اور نیتوں سے مربوط کیا ہے؛ چناں چہ مشہور قاعدہ فقہیہ ہے: 'الأمور بمقاصدها'، یعنی ''امور ومعاملات مقاصد پر اساس پذیر ہیں۔'' یہ قاعدہ شرعی نصوص سے ماخوذ ہے؛ اس کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اگر 'قطع عضو' سے دوسرے کی توہین وتحقیر مقصود ہو، تو یہ قابلِ مذمت اور ممنوع ہے؛ لیکن اگر اس سے کسی فائدے کا حصول یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ازالۂ ضرر پیش نظر ہو، تو یہ جائز ہے؛ چناں چہ پیوند کاری کے لیے کسی کا عضو کاٹنا درست ہوگا، کیوں کہ اس سے ایک زندگی بچانا مقصود ہے۔[81]

جوتھی حدیث

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کسر عظم المیت، ککسرہ حیا. (ابوداؤد، رقم 3207) ''مردہ کی ہڈی توڑنا، زندہ کی ہڈی توڑنے ہی کی مانند ہے۔''

انسانی عضا کی منتقلی کو ممنوع قرار دینے والے کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث سے اس عمل کی ممانعت نکلتی ہے، کیوں کہ زندہ اور مردہ کی حرمت یک ساں ہے۔[82]

تجزیہ

قائلینِ جواز کی جانب سے اس کا استدلال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ حدیث عام حالات پر محمول ہے، جب کوئی انسانی ضرورت اس سے متعلق نہ ہو۔[83] اردن کے اربابِ فتویٰ کے مطابق اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھدائی کرنے والے کو دیکھا کہ وہ کسی جائز شرعی ضرورت کے بغیر میت کی ہڈی توڑ رہا ہے، تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مخاطب ہو کر مندرجہ بالا بات ارشاد فرمائی۔[84]

یہ بات بھی خاطر نشاں رہنی چاہیے کہ منتقلیِ اعضا کے دوران اعضا کو توڑا نہیں جاتا، بل کہ انتہائی احتیاط سے بہ ذریعہ سرجری انھیں ایک شخص کے جسم سے نکالا جاتا ہے؛ جس پر یہ منطبق نہیں ہوتی۔

عقلی دلائل

انتقالِ اعضا کی حرمت کے قائلین نے عقل و قیاس سے بھی استشہاد کیا ہے؛ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ملکیت اعضا کا مسئلہ

مانعین کا کہنا ہے کہ انسان کو اپنے جسم اور اعضا پر حق ملکیت حاصل نہیں ہے، فلہٰذا وہ اپنا کوئی عضو دوسروں کو ہبہ نہیں کرسکتا۔ عطیہ یا ہبہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اس شے کا مالک ہو یا حقیقی مالک کی جانب سے اس کا اختیار حاصل ہو؛ یہاں یہ دونوں صورتیں نہیں پائی جاتیں۔[85]

اس کے لیے دو طرح کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں:[86] ایک وہ نصوص جن میں کائنات کی تخلیق و ملکیت کو خدائے بزرگ و برتر سے منسوب کیا گیا ہے، مثلاً:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ewandkari.inp

لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ. (سبا22:34)	''وہ نہ آسمانوں میں کسی ذرہ برابر چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں۔''
وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. (آل عمران180:3)	''زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''
وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ. (الفرقان2:25)	''جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے، جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے۔''

دوسری وہ نصوص ہیں، جن میں خودکشی اور اپنے آپ کو ظالموں کے حوالے کرنے سے روکا گیا ہے۔

تجزیہ

اس استدلال کے تحلیل و تجزیہ کے باب میں قائلینِ جواز کی جانب سے دو اسالیب سامنے آئے ہیں:

علما کا ایک مختصر سا گروہ تو اس دلیل کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتا کہ انسان اپنے اعضا کا مالک نہیں۔ شیخ عطیہ صقرؒ کہتے ہیں کہ انسان اپنی روح اور زندگی کا تو مالک نہیں، لیکن اجزاے جسمانی کی عدمِ ملکیت کی کوئی دلیل نہیں۔[87]

اسی طرح دکتور احمد محمد جمال[88] اور شیخ عبدالقدیم زلّوم[89] نے بھی یہی کہا ہے کہ انسان اپنے اعضا کا خود مالک ہے۔ ان کے بہ قول اگر انسان کو اپنے جسم پر حق ملکیت حاصل نہ ہوتا تو از روے شرع قتل و جراحات میں اسے قصاص و دیت کا حق کیوں کر ملتا؟

ہماری راے میں یہ موقف دلیل و برہان کے پہلو سے قوی نہیں معلوم ہوتا؛ پہلی دلیل دیکھیے کہ انسان زندگی کا مالک نہیں؛ جسم کا مالک ہے۔ سوال یہ ہے کہ جسم کے بغیر زندگی کا تصور کس طرح ممکن ہے؟ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور روح و حیات کا تحفظ، حفاظتِ جسد ہی سے ہوسکتا ہے؛ اس کے علاوہ اس کی کوئی امکانی صورت نہیں۔[90]

رہا قصاص و دیت سے استدلال؛ تو یہ درحقیقت قائل و جارح کو سزا دینے کے لیے ہے؛ ملکیتِ اعضا کا اثبات اس سے نہیں ہوسکتا۔[91]

قائلین جواز کا دوسرا گروہ وہ ہے جو ملکیت اعضا کے ضمن میں یہ تو تسلیم کرتا ہے کہ انسان اپنے اعضا کا مالک نہیں؛ لیکن اس کی بنا پر مانعین نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے، اسے درست نہیں سمجھتا۔ ڈاکٹر محمد عصمت اللہ نے اس نکتے پر انتہائی دقتِ نگاہ سے گفتگو کی ہے؛ ان کا کہنا ہے کہ

''انسان اپنے جسم و اعضا پر خالص ملکیت نہیں رکھتا، بل کہ اس کے جسم میں دو حق ہیں؛ ایک خدا کا اور دوسرا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بندے کا اور ان میں خدا کا حق غالب ہے؛ بنا بریں انسان کو اپنے جسم سے انتفاع و استفادہ اور اس میں تصرف کا محدود حق حاصل ہے، جسے وہ منشاے خداوندی سے ہٹ کر استعمال نہیں کرسکتا؛ اسی بنا پر خودکشی اور اپنے اعضا کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔ البتہ وہ اپنے حق سے دست بردار ہوسکتا ہے تاکہ خلق خدا کو فائدہ پہنچا سکے؛ تاہم اس سے ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے خدا کا حق متاثر ہوگا، جو جائز نہیں ہے۔''[92]

ہمارے خیال میں یہی متوازن نقطہ نظر ہے؛ اس سے جہاں نصوصِ قرآنی کی روح برقرار رہتی ہے؛ وہیں عملی طور پر اس مسئلے کا شفا بخش حل بھی میسر آجاتا ہے۔

پیوندکاری کے مفاسد

انسانی اعضا کے عطیے اور پیوندکاری کے مخالفین نے ان اضرار و مفاسد کو بھی ممانعت کی دلیل کے طور پیش کیا ہے؛ جو اس کے جواز کی صورت میں پیدا ہوسکتے ہیں، مثلاً:

- اس سے انسانی اعضا کی تجارت شروع ہوجائے گی اور انسان کے اجزا کاوما ل بن کر رہ جائیں گے۔
- اعضا کے حصول کی خاطر قتل وغارت گری کا سلسلہ چل نکلے گا۔[93]

اس سے انسانی جسم کم زور ہوسکتا ہے؛ جس سے خطرہ ہے کہ انسان عبادات اور شرعی فرائض و واجبات کی بجاآوری کے قابل نہ رہے۔[94]

ان وجوہ کی بنا پر بہ طور 'سدذرائع' پیوندکاری کو ممنوع قرار دینا چاہیے۔

تجزیہ

بے شبہہ مفاسد کے وجود سے انکار ممکن نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اعضا کی پیوندکاری کے ذریعے اب تک بے شمار زندگیاں بچائی جاچکی ہیں۔ رہا نقصانات کا معاملہ، تو اس ضمن میں قانون و احتساب کے اداروں کو متحرک کرنا چاہیے؛ نہ کہ اس مفید طریقِ علاج ہی پر قدغن عائد کردی جائے۔ مختلف ممالک میں حکومتی سطح پر باقاعدہ قانون سازی کرکے اعضا کی اسمگلنگ اور خرید وفروخت کو ممنوع قرار دیا جاچکا ہے؛ پاکستان میں بھی یہ قانون موجود ہے؛ اسے مزید موثر اور فعال کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ بھی امر واقع ہے کہ مجرموں کو کسی شرعی فتوے کی ضرورت ہوتی ہے؛ نہ حلال وحرام کے ضابطے ان کی نگاہ میں کوئی وقعت رکھتے ہیں؛ بنا بریں ان مفاسد کی ذمہ داری جواز کے فتووں پر عائد نہیں کی جاسکتی۔

جہاں تک جسمانی ضعف وکم زوری کا تعلق ہے، تو سرجری سے پہلے اس امر کی پوری احتیاط کی جاتی ہے کہ یہ عمل انسان کے لیے ہلاکت یا انتہائی ضرر و تکلیف کا باعث نہ بنے؛ پس یہ بھی ممانعت کی علت نہیں بن سکتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ewandkari.inp

قابل ترجیح موقف

دونوں گروہوں کے دلائل میں غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ اضطرار میں اعضا کی پیوندکاری کے جواز کا موقف ہی قابل ترجیح ہے۔اس مسئلے کو چار پہلوؤں سے دیکھا جاسکتا ہے؛طبی،شرعی، قانونی اوراخلاقی؛مذکورہ چاروزاویوں سے جائزہ لیاجائے،تواس کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں رہتا۔

- طبی پہلو سے دیکھا جائے تو ماہرین طب نے اسے کام یاب طریق علاج قرار دیا ہے اور تجربات نے اس کی افادیت پرمہرتصدیق ثبت کردی ہے؛چناں چہ بلامبالغہ لاکھوں افراداس سے شفایاب ہوچکے ہیں۔
- شرعی زاویے سے غور کیجیے،تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ شریعت اسلامیہ کا قصرِ رفیع مصلحت و حکمت پراساس پذیر ہےاورمصالح عباد کی رعایت اس کے اولین مقاصد میں داخل ہے؛چناں چہ منتقلی اعضا کا جواز ہی مزاجِ شریعت سے ہم آہنگ نظرآتا ہے کہ اس میں انسانی زندگی کا تحفظ ہے؛جوحفاظتِ دین کے بعدمقاصدِشریعت کااہم ترین رکن ہے۔
- ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیےشریعتِ خداوندی ہی قانون کا درجہ رکھتی ہے۔ اوراس سے سندِ جواز ملنے کے بعدکسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی؛لیکن فی زمانہ ملکی ضابطے بھی اہمیت رکھتے ہیں اوران کا مقصدبھی مفاسد کی روک تھام ہوتا ہے؛چناں چہ اس حوالے سے قانون بھی پیوندکاری کی اجازت دیتا ہے؛تاہم اعضا کی خریدوفروخت یا اسمگلنگ جرم ہے۔اس سلسلے میں اگرچہ بعض علما نے جواز کا موقف اختیارکیا ہے؛تاہم صحیح یہ ہے کہ اعضا کا عطیہ یا ہبہ تو جائز ہےلیکن خریدوفروخت درست نہیں کہ اس سے انسان جنس بازاربن کررہ جائے گا؛جوکسی طور پسندیدہ نہیں۔
- اب اخلاقی رخ سے دیکھیے؛اگرچہ اخلاقیات بھی شریعت ہی میں شامل ہیں،لیکن عموماً شریعت سے مذہب کا قانونی پہلومرادلیا جاتا ہے؛حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کواپنے اعضا کا عطیہ دینا انتہائی اعلیٰ اخلاقی قدر ہے،جوعطیہ دہندہ کےایثاروقربانی اورانسانیت سےشفقت وہم دردی کا بہترین مظہر ہے۔

ان وجوہ کی بناپر ہماری رائے یہ ہے کہ نہ صرف ایک زندہ انسان اپناعضومجبورولاچارمریض کو عطیہ کرسکتا ہے؛بل کہ موت کے بعدبھی اپنے اعضامریضوں کوہبہ کرنا اس کے لیےشرعاً جائز ہے؛خاص طورسے جب کہ عملی صورتِ حال یہ ہے کہ ہرسال پچاس ہزارافرادا عضاکے ناکارہ ہونے کی وجہ سے رزقِ خاک ہوجاتے ہیں۔

حواشی

1 ان میں شیخ ابن بازؒ اورشیخ بکرابوزیدؒ لائقِ تذکرہ ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2 شیخ ابراہیم یعقوبیؒ نے اپنی کتاب 'شفاء التباریح و الأدوات فی حکم التشریح و نقل الأعضاء' میں سولہ شرطوں کے ساتھ اعضا کی منتقلی کو جائز کہا ہے۔

3 شیخ حسن مامونؒ نے 1959ء میں پیوندکاری کو جائز قرار دیا۔الفتاویٰ الإسلامیة، الصادرة عن دار الافتاء المصریة: 2552/7

4 احمد ہریدیؒ مصر کے سرکاری مفتی رہے ہیں۔ان کا فتویٰ 1966ء میں شائع ہوا، ملاحظہ ہو: الفتاویٰ الإسلامیة: 2278/6

5 شیخ جادالحقؒ، شیخ الازہر کے منصب پر فائز رہے ہیں؛ انھوں نے 1979ء میں پیوندکاری کے جواز کا فتویٰ دیا، دیکھیے: الفتاویٰ الإسلامیة الصادرة عن دارالافتاء المصریة:3702/1

6 علامہ طنطاویؒ (م ربیع الاول 1431ھ/ مارچ 2010ء) 1996 سے اپنی وفات تک 'شیخِ ازہر' کے منصب پر فائز رہے۔انھوں نے 1989ء میں جواز کا فتویٰ صادر کیا، دیکھیے: فتاوٰی شرعیة، ص:43؛ الفتاوٰی الإسلامیة:7950/21)

7 www.dar-alifta.org/viewfatwa.aspx?id=3638

8 ڈاکٹر علی جمعہ محمد 2003ء سے مفتیِ مصر کے منصب پر فائز ہیں؛ وہ جامعہ ازہر کے تحقیقی ادارے 'مجمع البحوث الاسلامیہ' کے رکن اور 'ھیئة کبار العلماء بالازھر الشریف' کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ان کا فتویٰ مندرجہ بالا لنک پر دیکھا جاسکتا ہے۔

9 ایضاً

10 الدکتور احمد شرف الدین، الأحکام الشرعیة للأعمال الطبیة، ص:128

11 ڈاکٹر محمد عصمت اللہ، الإنتفاع بأجزاء الآدمی، ص :119 یہ ڈاکٹر صاحب کا ایم۔اے کا مقالہ ہے، جو انھوں نے ام القری یونیورسٹی میں پیش کیا۔اس میں ڈاکٹر صاحب نے اس مسئلے پر تفصیلی گفت گو کی ہے اور چند شرائط کے ساتھ اعضا کی پیوندکاری کے جواز کو راجح قرار دیا ہے۔

12 ہفت روزہ الاعتصام، لاہور، جلد:42، شمارہ:43 تا 46، بابت 26 اکتوبر 1990ء، چار اقساط

13 خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل:58/5، زم زم پبلشرز، کراچی، 2010ء

14 مفتی زاہد صاحب جامعہ امدادیہ، فیصل آباد کے مہتمم ہیں۔میں نے پیوندکاری سے متعلق ان کی رائے جاننے کے لیے انھیں فون کیا، تو انھوں نے اضطراری حالات میں اس کے جواز کو ترجیح دی۔

15 یہ کانفرنس اپریل 1969ء میں انعقاد پذیر ہوئی۔اس میں 'ضرورت' کی بنا پر پیوندکاری کو جائز قرار دیا گیا؛ جب کہ انسانی اعضا کی خرید وفروخت کو حرام ٹھہرایا گیا، ملاحظہ ہو: مجلة البحوث الاسلامیة،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ewandkari.inp

العدد:22,1409ھ

16 مجمع کے آٹھویں سیشن (منعقدہ 28 ربیع الآخر تا 7 جمادی الاولیٰ 1405ھ بہ مطابق 19 تا 28 جنوری 1985ء بہ مقام مکہ مکرمہ) میں اعضا کی منتقلی کو چار شرائط کے ساتھ جائز کہا گیا۔ شیخ بکر ابوزیدؒ نے توقف کیا، جب کہ شیخ صالح الفوزان نے میت کے اعضا کی منتقلی کو ناجائز قرار دیا، دیکھیے: الدکتور محمد المختار الشنقیطی، أحکام الجراحة الطبیة، ص:355، مکتبة الصحابة، جدہ، 1415ھ/1994ء

17 سعودیہ کے علمائے کبار کی اکثریت نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اضطراری حالت میں میت کے اعضا، زندہ مسلمان کو منتقل کیے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح زندگی میں بھی ایک مسلمان دوسرے مجبور مسلمان کو اپنے اعضا کا عطیہ دے سکتا ہے، بہ حوالہ أحکام الجراحة الطبیة، ص:355

18 اسلامک فقہ اکیڈمی، بھارت نے اپنے دوسرے اجلاس منعقدہ یکم تا تین اپریل 1989ء میں بہ حالت مجبوری زندہ شخص کے اعضا کی منتقلی کو جائز قرار دیا، دیکھیے: خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل:59/5

19 مملکتِ اردنیہ ہاشمیہ کی سرکاری مجلسِ افتا نے پانچ شرائط کے ساتھ پیوندکاری کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ مجلس سات علما پر مشتمل تھی: ① محمد عبدہ ہاشم ② محمد ابوسردانہ ③ عزالدین الخطیب ④ اسعد بیوض التمیمی ⑤ ابراہیم زید الکیلانی ⑥ عبدالسلام العبادی ⑦ یٰسین داؤد کہ، اس فتوے کا اردو ترجمہ بہ قلم مولانا عبدالقدوس ہاشمی 'فکر ونظر' اسلام آباد کے شمارہ نومبر 1978ء میں چھپ چکا ہے۔

20 کویت کی وزارتِ اوقاف کے تابع فتویٰ کمیٹی نے 22 ربیع الآخر 1405ھ کو پیوندکاری کے جواز کا فتویٰ دیا، دیکھیے: أحکام الجراحة الطبیة:ص356

21 مصر کے سرکاری 'دارالافتا' کے متعدد مفتیوں کے فتاویٰ کا ذکر اوپر ہو چکا ہے؛ علاوہ ازیں ازہر کی فتویٰ کمیٹی نے 1981ء اور 1989ء میں بھی اس حوالے سے متفقہ فتوے دیے ہیں، ملاحظہ ہو: مجلة الأزهر 20، 1368ھ بہ حوالہ أحکام الجراحة الطبیة:ص356

22 الجزائر کی 'لجنة الافتاء للمجلس الإسلامی' نے 6 ربیع الاول 1392ھ بہ مطابق 20 اپریل 1972ء یہ فتویٰ دیا، دیکھیے: أحکام الجراحة الطبیة:ص356

23 شفاء التباریح و الأدواء، ص:19؛ الأحکام الشرعیة لأعمال الطبیة، ص:133

24 سمیرۃ عایدالدیات، عملیات زرع و نقل الأعضاء بین الشرع و القانون، ص:237، دار الثقافة للنشر و التوزیع، عمان، 1999ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

25 الجزائر کی فتویٰ کمیٹی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے، ملاحظہ ہو: مجلة البحوث الإسلامية، عدد:22، ص:47

26 سعاد سطحی، نقل الأعضاء البشرية، ص:26، مؤسسة الرسالة، 1428ھ/2007ء

27 شفاء التباريح و الأدواء، ص:84

28 نقل و زرع الاعضاء البشرية، ص:28

29 ابراہیم محمد یسری، سرقة الأعضاء بالجراحة الطبية و أحكام القصاص المترتبة عليها فی الفقه الاسلامی، ص:215

30 اردن کی فتویٰ کمیٹی نے بھی اسے صدقہ جاریہ کہا ہے۔ یہ فتویٰ 11 اپریل 1984ء کو صادر کیا گیا، ملاحظہ ہو: عبدالسلام العبادی، انتفاع الانسان باعضاء جسم آخر، ص:15

31 دکتور محمود النسیمی، حكم الإستفادة من أعضاء الموتى، ص:50

32 حكم الاستفادة من أعضاء الموتى، ص:24

33 ایضاً، ص:56؛ فتوى لجنة الافتاء بالمملكة الأردنية الهاشمية، بہ تاریخ 20 جمادی الاولیٰ، 1397ھ، بہ حوالہ انتفاع الانسان باجزاء جسم انسان آخر، ص:6

34 اس حوالے سے یہ آیت قابل غور ہے: 'و يؤثرون على أنفسهم و لو كان بهم خصاصة.' (الحشر 9:59) ''وہ ان کو اپنے اوپر ترجیح دے رہے ہیں، اگرچہ انھیں خود احتیاج ہے۔'' اس میں انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کی گئی ہے، جنھوں نے مہاجرین کے باب میں بے مثال ایثار کا مظاہرہ کیا۔

35 عبدالرحمٰن ابن سعدیؒ، المختارات الجلية، ص:324

36 شفاء التباريح و الأدواء، ص:21

37 کمال الدین جمعہ بکرو، حكم الانتفاع بالاعضاء البشرية و الحيوانية، ص:484، دارالخیر، بیروت، 1422ھ/2001ء

38 ابن حجر الہیثمیؒ، تحفة المحتاج بشرح المحتاج: 126/2، دارصادر، بیروت، لبنان، 1315ھ

39 حكم الانتفاع باعضاء البشرية و الحيوانية، ص:484

40 اردن کی مجلس افتا کا متفقہ فیصلہ، مشمولہ فکر و نظر، اسلام آباد، نومبر 1978ء؛ أحكام الجراحة الطبية، ص:355

41 اس سلسلے میں شیخ شعراویؒ نے 'الانسان لا يملك جسده فكيف يتبرّع بأجزائه بيعها' کے عنوان سے مضمون لکھا، جو جریدہ 'اللواء الاسلامی' عدد 226، بہ تاریخ 27 جمادی الآخر 1407ھ/26 جنوری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ewandkari.inp

1987ء بہ روز جمعرات اشاعت پذیر ہوا، دیکھیے: أحكام الجراحة الطبية، ص:354

42 شیخ ابن عثیمینؒ سعودی عرب کے معروف عالم تھے؛ ان کی رائے کے لیے ملاحظہ ہو: مجموع فتاوىٰ و رسائل الشيخ ابن العثيمين:46/17، دارالثريا للنشر و التوزيع، الرياض

43 شیخ عبداللہ الغماریؒ نے اس موضوع پر ایک رسالہ 'تعریف أهل الاسلام بأن نقل العضو حرام' کے نام سے تحریر کیا ہے، جس میں پیوندکاری کی حرمت پر دلائل دیے ہیں۔

44 شیخ حسن السقاف نے اپنے رسالے 'الإمتناع و الإستقصاء لأدلة تحريم نقل الأعضاء' میں اس مسئلے پر بحث کی ہے۔

45 ڈاکٹر عبدالسلام السکری، کلية الشريعة و القانون، جامعہ ازہر میں استاد ہیں۔ مسئلہ زیر بحث پر ان کی کتاب 'نقل و زراعة الأعضاء الآدمية من منظور اسلامی' کے زیر عنوان شائع ہوئی ہے؛ ان کے نزدیک اعضا کی منتقلی مطلقاً حرام ہے۔

46 مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اس موضوع پر متعدد علما سے بحث ومباحثہ کے بعد 'تنشيط الأزمان فی الترقيع بأعضاء الانسان' کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے، جو 1387ھ میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس مسئلے پر 'مجلس تحقیق مسائل حاضرہ' میں غور وفکر کیا گیا اور بالآخر متفقہ طور پر پیوندکاری کی حرمت کا موقف اپنایا گیا۔ اس مجلس میں مفتی صاحب موصوف کے علاوہ مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ، مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ، مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی اور مولانا محمد تقی صاحب عثمانی سمیت گیارہ علما شامل تھے۔ اب یہ رسالہ مفتی شفیع صاحب مرحوم کے فقہی مقالات کے مجموعہ 'جواہر الفقہ' کی جلد ہفتم میں شامل ہے۔

47 سید ابوالاعلیٰ مودودی، رسائل و مسائل: 294/3، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، اشاعت پنجم، 1975

48 پیر محبّ اللہ صاحب راشدیؒ کبار علماے اہل حدیث میں شامل ہیں؛ انھوں نے مولانا محمد خالد سیف کے موقف پر نقد کرتے ہوئے پیوندکاری کو حرام قرار دیا ہے۔ ان کا رسالہ 'انسانی اعضا کی پیوندکاری اور انتقال خون کی شرعی حیثیت' کے زیر عنوان مکتبہ السنۃ، 18 سفید مسجد، سولجر بازار، کراچی 1 سے طبع ہوا ہے۔

49 مولانا برہان الدین سنبھلی دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ میں استاد اور اسلامک فقہ اکیڈمی، ہند کے رکن ہیں۔ ان کے موقف کے لیے دیکھیے ان کی کتاب: قضايا فقهية معاصره، ص:67؛ خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل:59/5

50 نقل و زراعة الأعضاء من منظور اسلامی، ص:107

51 أحكام الجراحة الطبية، ص:82-381

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

52 الامتناع و الاستقصاء، ص:16-15

53 أحكام الجراحة الطبية، ص:382

54 الإمتناع و الإستقصاء، ص:29-28؛ نقل و زراعة الأعضاء الآدمية، ص:115

55 جواہر الفقہ :32/7، مکتبہ دارالعلوم کراچی 14، س۔ن

56 جواہر الفقہ :52/7

57 ایضاً:62/7

58 المبسوط:125/15

59 ایضاً

60 خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل:48/5

61 ڈکٹور وہبہ الزحیلی' اصول الفقہ الإسلامی:831/2، دارالفکر، دمشق، 1406ھ/1986ء

62 ابواسحاق الشاطبی، الموافقات:284/2، دارالفکر العربی، س۔ن

63 عصر حاضر میں اربابِ تجدد نے اس قاعدے سے بہت غلط استدلال کیا ہے اور ان شرعی احکام کو بھی تغیر پذیر قرار دیا ہے، جن کی تعیین خود نصوص شریعت ہی نے کر دی ہے۔ ہم نے اپنے ایم فل کے مقالے میں اس کی تفصیلی وضاحت کی ہے اور اس ضمن میں پھیلائے جانے والے مغالطوں کا ازالہ کیا ہے۔ یہ مقالہ 'تبدیلیِ حالات سے شرعی احکام کی تبدیلی کے تصورات؛ تجزیاتی مطالعہ' کے عنوان سے پیش کیا گیا۔ (مصنف)

64 أحكام الجراحة الطبية، ص:383

65 ابواسحاق شاطبی، الموافقات:511/2، دارابن عفان، 1417ھ/1997ء

66 تحفۃ الفقہاء:343/3، بہ حوالہ جدید فقہی مسائل:51/5

67 البحر الرائق: 205/8، بہ حوالہ جدید فقہی مسائل:51/5

68 المغنی:335/9

69 ایضاً

70 الجامع الأحکام القرآن:41/3، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، 1427ھ/2006ء

71 ایضاً

72 الامتناع والاستقصاء، ص:20؛ نقل وزراعة الأعضاء الآدمية، ص:111

73 شیخ حسن السقاف وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ محض اعضا کاٹنے کی سزا ہے، اس کا ارادہ خودکشی کا نہ تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ewandkari.inp

74 نووی، المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج:132/2، المطبعة المصرية بالأزهر، 1347ھ/1929ء

75 قضا يا فقهية معاصرة، ص:61-62

76 جدید فقہی مسائل:53/5

77 أحكام الجراحة الطبية، ص:358

78 الإمتناع والإسقصاء، ص:26؛ قضايا فقهية معاصرة، ص:47

79 ملاحظہ ہو: المعجم الوسيط

80 ابن حجر، فتح الباری:489/12، دارطیبۃ، الریاض، 1426ھ/2005ء

81 شفاء التباريح والأدواء، ص:21

82 مجموع فتاویٰ ابن عثیمین:46/17؛ الإمتناع والإستقصاء، ص:21

83 جدید فقہی مسائل:53/5

84 فکر ونظر، اسلام آباد، ص:36، جلد:16، شمارہ:5، نومبر 1978ء

85 رسائل ومسائل:293/3؛ نقل و زراعة الأعضاء الآدمية، ص:107؛ شیخ متولی شعراویؒ کے مضمون کا عنوان ہی یہ ہے کہ 'الإنسان لا يملك جسده، فكيف يتبرع بأجزائه أو يبيعهما؟' یعنی 'انسان اپنے جسم کا مالک ہی نہیں؛ اس کے لیے اپنے اجزا کا عطیہ یا بیع کیوں کر ممکن ہے؟

86 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الانتفاع بأجزاء الأدمی، ص:65-64

87 عطیہ صقر، الإسلام و مشاكل الحياة، ص:213، بہ حوالہ الانتفاع بأجزاء الآدمی، ص:101

88 دکتور احمد محمد جمال، وجهة نظر فی زراعة الأعضاء الانسانية، ص:24

89 عبدالقدیم زلّوم، حكم الشرع فی الاستنساخ و نقل الأعضاء، ص:9

90 الانتفاع بأجزاء الآدمی، ص:102

91 دکتور اسماعیل مرحبا، البنوك الطبية البشرية، ص:79، دار ابن الجوزی للنشر والتوزیع، 1429ھ

92 الإنتفاع بأجزاء الآدمی، ملخصاً ص65 اور 102

93 جواہر الفقہ:56-57/7

94 نقل و زراعة الأعضاء الآدمية، ص:110

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریک استشراق؛ ایک تعارف

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر*

استشراق؛ معنی ومفہوم

لفظ استشراق کا مادہ 'ش، ر، ق' ہے اور یہ باب استفعال سے مصدر ہے۔ باب استفعال کے خاصہ 'طلب' کی وجہ سے اس میں حرف 'س' طلب کا مفہوم ادا کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کا اردو ترجمہ 'شرق شناسی' کیا گیا ہے۔[1] عام الفاظ میں استشراق سے مراد 'مشرق کو جاننے کی طلب یا خواہش رکھنا' ہوسکتا ہے۔

ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان نے استشراق کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

فالاستشراق إذن هي دراسة الغربيين عن الشرق من ناحية عقائده أو تاريخه أو آدابه...إلى غير ذلك. [2]

''پس استشراق سے مراد اہل مغرب کا مشرق کے عقائد، تاریخ اور فنون وغیرہ کا مطالعہ کرنا ہے۔''

استاذ فاروق عمر فوزی استشراق کا معنی ومفہوم متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علم يدرس لغات شعوب الشرق وتراثهم وحضاراتهم ومجتمعاتهم وماضيهم وحاضرهم. [3]

''استشراق ایک ایسا علم ہے جو مشرق کی زبانوں، علمی ورثہ، تہذیبوں، معاشروں، ماضی اور حال کے بارے میں بتلاتا ہے۔''

ڈاکٹر احمد عبدالرحیم السایح 'استشراق' کو ایک ایسی آئیڈیالوجی قرار دیتے ہیں، جس کا مقصد اسلام کے بارے میں پہلے سے طے شدہ کچھ خاص قسم کے تصورات کو رائج کرنا ہے، نہ کہ کسی تحریک علم

*اسسٹنٹ پروفیسر، کومسٹ انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

rientalists.inp

وفضل میں شرکت ومعاونت؛ وہ لکھتے ہیں:

ولكن يمكن القول إن الاستشراق في دراسته للإسلام ليس علما بأي مقياس علمي، وإنما هو عبارة عن أيديولوجية خاصة يراد من خلالها ترويج تصورات معينة عن الإسلام، بصرف النظر عما إذا كانت هذه التصورات قائمة على حقائق أو مرتكزة على أوهام وافتراءات.[4]

''یہ کہنا درست ہے کہ 'استشراق' اسلام کے مطالعہ کے دوران کسی بھی اعتبار سے کوئی علم نہیں کہلا سکتا، بل کہ یہ ایک خاص قسم کی آئیڈیالوجی ہے جس کا مقصود اسلام کے بارے کچھ خاص قسم کے تصورات کی نشر واشاعت ہے، چاہے اسلام کے بارے وہ قائم کیے گئے تصورات حقائق پر مبنی ہوں یا اوہام اور جھوٹ پر۔''

'استشراق' کا انگریزی ترجمہ 'Orientalism' کیا جاتا ہے۔ لاطینی زبان میں 'Orient' کا لفظ کسی شے کے بارے تحقیق کرنے یا سیکھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جب کہ جرمنی میں 'Sich Orientieren' کا معنی کسی شے کے بارے معلومات جمع کرنا ہے۔ اسی طرح فرانسیسی میں 'Orienter' کا معنی رہنمائی کرنا ہے، جب کہ انگریزی ہی میں 'Orientate' کا معنی اپنے حواس کو کسی خاص سمت میں لگا دینا ہے۔[5]

خلاصہ کلام کے طور یہ کہا جا سکتا ہے کہ کلمہ 'استشراق' اپنے پہلے استعمال سے معاصر استعمال تک مختلف ادوار سے گزرا ہے اور اس کے اساسی مفہوم میں مشرقی لغات اور فنون میں رسوخ جوہری عنصر کے طور شامل رہا ہے۔

استعراب

بعض اوقات ایک اصطلاح کا معنی ومفہوم اس کے مترادفات اور متضادات کے مطالعہ سے مزید نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ 'استشراق' کے مترادفات میں سے ایک اہم اصطلاح 'استعراب' کی ہے جس کا لغوی معنی 'عرب بننا' ہے۔[6] منیر روحی بعلبکی 'استعراب' کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فهو علم يختص بدراسة حياة العرب ومايتعلق بهم من حضارة وآداب ولغة وتاريخ وفلسفات وأديان...وأما المستعرب فهو عالم ثقة فی کل ما يتصل بالعرب وبلاد العرب أو باللغة العربية والأدب العربی. [7]

''استعراب سے مراد وہ علم ہے جو عربوں کی زندگی، تہذیب، فنون، لغت، تاریخ، فلسفہ اور مذاہب کے مطالعہ کے ساتھ مخصوص ہو... اور مستعرب اسے کہتے ہیں جو بلادعرب یا عربی زبان وادب میں رسوخ رکھتا ہو۔''

استغراب

'استشراق' کے متضادات میں سے ایک اہم اصطلاح 'استغراب' کی ہے۔اس کا لغوی معنی 'حیرت' ہے۔[8] ڈاکٹر احمد سمایلوفیتش 'استغراب' کا اصطلاحی معنی متعین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

يمكن القول أن كلمة الاستغراب مأخوذة من كلمة غرب و كلمة غرب تعنی أصلا مغرب الشمس وبناء على هذا يكون الاستغراب هو علم الغرب ومن هنا يمكن كذلك تحديد كلمة المستغرب وهو الذی تبحر من أهل الشرق فی إحدى لغات الغرب وآدابها وحضارتها. [9]

''یہ کہنا درست ہے کہ 'استغراب' کا لفظ 'غرب' سے ماخوذ ہے اور 'غرب' سے مراد سورج غروب ہونے کی جگہ ہے۔اسی بنیاد پر 'استغراب' کا معنی مغرب کے بارے میں جان کاری ہے۔یہیں سے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ 'مستغرب' وہ ہے جو کسی مغربی زبان، فن اور تہذیب کے بارے میں رسوخ رکھتا ہو۔''

مستشرق کا معنی ومفہوم

استشراق کا لفظ عربی زبان میں 'مولد' ہے۔اس سے اسم فاعل کا صیغہ 'مستشرق' بنتا ہے۔اس کا انگریزی ترجمہ 'orientalist' کیا جاتا ہے، جب کہ محققین کے نزدیک orientalist 'مستشرق' کا ترجمہ نہیں ہے، بل کہ یہ 'عالم مشرقیات' کا ترجمہ ہے۔اسحاق موسیٰ الحوینی کا کہنا تو یہ ہے کہ 'مستشرق' کوئی لفظ نہیں ہے، بل کہ اصل لفظ 'عالم مشرقیات' ہے، لیکن چوں کہ اس لفظ کا استعمال بہت عام ہو چکا ہے لہٰذا اس پہلو سے اسے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[10]

ڈاکٹر اسماعیل محمد بن علی کا کہنا یہ ہے کہ اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ 'مستشرق' وہ ہے جو مغربی اسکالر ہو، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، لیکن نجیب العقیقی نے بعض مشرقی علما کو بھی مستشرقین میں شمار کیا ہے۔[11]

ڈاکٹر علی بن ابراہیم نملہ نے ڈاکٹر عمر فروخ پر نقد کرتے ہوئے کہا ہے کہ 'مستشرق' کو مغرب کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

rientalists.inp

ساتھ خاص کر دینا درست نہیں ہے بل کہ مشرق میں رہنے والے مشرقی علوم کے ماہر عربی النسل اور عجمی یہود ونصاریٰ بھی مستشرقین میں شامل ہو سکتے ہیں[12] اور یہی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔

آرتھر جان آربری Arthur John Arberry (م1969ء) کے مطابق 1630ء میں پہلی دفعہ لفظ 'مستشرق' یونانی یا عیسائی کلیسا کے ایک پادری کے لیے استعمال ہوا۔ میکسم روڈنسن Maxime Rodinson (م2004ء) کے مطابق یہ لفظ 1799ء میں فرنچ اور 1838ء میں انگریزی زبان میں استعمال ہوا۔ ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان کا کہنا ہے کہ انگریزی زبان میں orientalist کے لفظ کا پہلی دفعہ 1779ء میں استعمال ہوا۔[13] بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ 1691ء میں 'صموئیل کلارک' Samuel Clarke (م1729ء) نے 'انتھونی وڈ' Anthony Wood (م1643ء) کو 'استشراقی' کا نام دیا۔[14]

بیسویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں عالم اسلام میں تحریک استشراق اور مستشرقین کی جو خبر لی گئی ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب مستشرقین اپنے لیے 'مستشرق' یا orientalist کہلوانا پسند نہیں کرتے ہیں۔ 1973ء میں پیرس میں مستشرقین کی ایک عالمی کانفرنس بہ عنوان 'المؤتمرات العالمية للدراسات الآسيوية والشمال أفريقيا' منعقد ہوئی، جس میں اس اصطلاح سے جان چھڑانے کا اتفاقی فیصلہ صادر ہوا اور 'مستعربون' (Arbists) یا 'اسلامیون' (Islamists) یا 'باحثون فی العلوم الانسانیۃ' (Humanists) یا Asian Study وغیرہ جیسی اصطلاحات استعمال کرنے پر اتفاق ہوا۔

اطالوی نژاد امریکی مستشرق John L Esposito کا کہنا ہے کہ اسے یہ بالکل بھی پسند نہیں ہے کہ اسے Orientalist کے نام سے پکارا جائے، بل کہ وہ اپنے آپ کو Islamist کہلوانا پسند کرتا ہے۔[15]

تحریک استشراق کا تاریخی پس منظر

تحریک 'استشراق' کا نقطہ آغاز کیا ہے، اس بارے میں مسلمان علما کا اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ استشراق کا آغاز 8 ہجری میں غزوہ موتہ سے ہوا ہے، جب مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین پہلی باقاعدہ جنگ لڑی گئی۔ جب کہ بعض دوسرے اہل علم کی رائے میں 'استشراق' کا باقاعدہ آغاز آٹھویں صدی عیسوی میں اندلس کی فتح کے بعد ہوا جب یورپ سے نوجوان اندلس کی اسلامی سلطنت کی معروف جامعات میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔[16]

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی رائے میں بھی 'تحریکِ استشراق' کا آغاز ان یورپین راہبوں سے ہوا جنھوں نے مشرقی علوم وفنون کے حصول کی خاطر اندلس کا سفر کیا۔ ان راہبوں میں جربرت آف اورل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیک Gerbert of Aurillac (946-1003ء) جو بعد ازاں سلفستر ثانی Pope Sylvester II کے نام سے پوپ کے عہدے پر بھی فائز ہوا، بھی شامل ہے۔ پطرس المحترم Peter the Venerable (1092-1156ء) جو اندلس تعلیم حاصل کر کے فرانس واپس آیا اور مسلمان علما سے مجادلہ ومناظرہ کرنے لگا، نے بھی اس بارے کتابیں لکھیں۔ اسی طرح ریمنڈ مارٹن Raymond Martin (1230-1284ء) بھی ان راہبوں میں شامل تھا اور اس نے مسلمان علما سے علم الکلام سیکھنے کے بعد 'خنجر الإیمان' کے نام سے مسلمانوں اور یہود کے رد میں کتاب لکھی۔ انھی رہبان میں ریمنڈ لولی Ramon Llull (1235-1314ء) بھی شامل ہے۔[17]

معروف انگلش اسکالر راجر بیکن Roger Bacon (1214-1294ء) نے مسیحی دنیا میں اضافے کے لیے عیسائی بنانے کی تحریک 'تحریک تنصیر' کو بہترین لائحہ عمل قرار دیا اور اس عمل کے لیے اسلامی لغات کی معرفت کو لازمی شرط قرار دیا۔[18] پندرھویں کیتھولک کونسل 'کونسل آف ویانا' Council of Vienne نے راجر بیکن کے ان افکار کی بہ دولت 1312-1311ء میں پانچ یورپین جامعات میں عربی زبان کی چیئرز قائم کیں جن میں پیرس، آکسفورڈ، بولونیا، سلمنکا اور بابویہ کی یونی ورسٹیاں شامل ہیں۔[19]

یہی وجہ ہے کہ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ 'استشراق' کا آغاز 'کونسل آف ویانا' میں منظور کردہ ایک قرارداد سے ہوا کہ جس کے مطابق کئی ایک یورپین جامعات میں عربی زبان کی چیئرز قائم کرنے کا فیصلہ صادر ہوا۔[20] بعض کے بہ قول اس کا آغاز بارھویں صدی عیسوی میں اس وقت ہوا، جب کہ پہلی دفعہ قرآن مجید کا ترجمہ 1143ء میں لاطینی میں ہوا۔[21]

بعض اہل علم نے صلیبی جنگوں کو تحریک 'استشراق' کا نقطہ آغاز قرار دیا ہے، جب مسیحی دنیا نے بیت المقدس میں مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے ان کے علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کی طرف توجہ دی۔ معاصر امریکی مستشرق برنارڈ لیوس Bernard Lewis (پیدایش 1916ء) نے اس خیال کی تردید کی ہے کہ یورپی اور اسلامی ثقافت کا پہلا اختلاط صلیبی جنگوں کی صورت میں پیش آیا[22] لہٰذا صلیبی جنگوں کو تحریک استشراق کا نقطہ آغاز قرار دینا درست نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمد عبد اللہ الشرقاوی کا کہنا یہ ہے کہ نارمن دانیال Norman Danial کی کتاب Islam and The West اور ساتھرن Southern کی کتاب Western Views of Islam in the Middle Ages اس پر شاہد ہیں کہ استشراق کی ولادت مغربی رومن چرچ میں ہوئی۔[23]

ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان کے بہ قول 'استشراق' تحریک تنصیر (مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی تحریک) کی گود میں پیدا ہوا؛ مغربی استعمار کی گود میں پلا بڑھا اور مغربی تعلیمی اداروں نے اسے ایک تحریک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

rientalists.inp

بنا دیا۔[24]

خالد ابراہیم المحجوبی نے استشراق کو چار مراحل میں تقسیم کیا ہے: پہلا مرحلہ صلیبی جنگوں کا تھا کہ جس میں مسلمانوں پر فتح حاصل کرنے کے لیے مشرق کے بارے معلومات حاصل کرنے کے لیے کئی ایک مہمیں بھیجیں گئیں؛ دوسرے مرحلے کا آغاز ان جنگوں میں عیسائیوں کی ناکامی سے شروع ہوا کہ اب مشرقی علوم وفنون کے حصول کی طرف توجہ دی گئی تاکہ مشرق کو شکست دی جا سکے؛ تیسرا مرحلہ اٹھارویں صدی کے نصف سے لے کر دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ تک ہے جو استشراق کی تنظیم وتحریک کا مرحلہ ہے؛ چوتھا مرحلہ دوسری جنگ عظیم کے بعد کا ہے۔[25]

بعض علما کا خیال ہے کہ استشراق کسی بھی اعتبار سے کوئی علمی تحریک نہیں ہے، بل کہ یہ اسلام کے بارے ایک طے شدہ آئیڈیالوجی ہے کہ جس کی ترویج مقصود ہے، چاہے وہ حقائق پر مبنی ہو یا جھوٹ پر۔[26] 19ویں صدی کے اخیر میں مستشرقین کی پہلی کانفرنس پیرس میں 1873ء میں منعقد ہوئی۔[27]

بعض اہل علم نے تحریک 'استشراق' کے آغاز کے بارے میں اس اختلاف کو اختلاف تنوع قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ مختلف اہل علم نے متفرق ممالک کے اعتبار سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور مختلف علاقوں کے اعتبار سے مشرقی علوم وفنون اور تہذیب وثقافت کی طرف رغبت ومیلان کی تاریخ اور وجوہات میں فرق ممکن ہے۔

مثلاً فرانس میں بارھویں صدی عیسوی ہی میں عربی زبان وثقافت کی طرف رجحان پیدا ہو۔ پوپ 'آنری اس' Honorius چہارم نے مشرقی لغات کی تعلیم کے لیے 1285ء میں ایک انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی۔[28] انگلینڈ میں 'مستشرق' کے لفظ کا استعمال تقریباً 1779ء میں اور فرانس میں 1799ء میں شروع ہوا۔ ایک فرانسیسی ڈکشنری میں اس لفظ کا استعمال ہمیں 1838ء میں ملتا ہے۔[29] اطالوی مکتب فکر کی بنیاد اس وقت پڑی، جب کہ مسلم سپہ سالار عبداللہ بن موسی بن نصیر نے 708ء میں اٹلی کو فتح کیا۔

برطانیہ سے اہل علم کی جماعت نے اندلس کا رخ کیا، جن میں قاضی تھامس براؤن Thomas Browne (م 1682ء) اور راجر بیکن وغیرہ شامل ہیں۔ 1932ء میں کیمبرج یونی ورسٹی میں عربی زبان کے لیے ایک خصوصی چیئر قائم کی گئی۔ اس کے بعد آکسفورڈ میں بھی اٹھارویں صدی عیسوی میں عربی زبان کی چیئر قائم کی گئی۔[30] جرمنی میں 'استشراق' کا نقطہ آغاز دوسرے صلیبی حملے کے دوران 1147-1149ء کو قرار دیا جاتا ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں جرمن نے مشرقی علوم وفنون کی طرف باقاعدہ توجہ دی۔

مستشرقین کے ہسپانوی مکتبِ فکر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جب سے مسلمانوں نے سپین کو فتح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا، اس وقت سے وہ یورپ میں علوم اسلامیہ وعربیہ کا مرکز رہا۔ پاسکوال جے اینگس Pascual de Gayangos y Arce (1809-1897ء) سپین میں تحریک استشراق کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ ہالینڈ میں لائیڈن یونی ورسٹی میں 1599ء میں علوم اسلامیہ کی چیئر قائم کی گی۔ روسی مکتبِ فکر کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عباسی خلافت کے اولین دور میں مسلمانوں کے عراق کے رستے روس سے تجارتی تعلقات قائم ہوئے اور یہی واقعہ مسلمانوں کی تہذیب وتمدن اور علوم وفنون سے اہل روس کی واقفیت کی بنیاد بنا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں منگولوں نے اسلام کا ایک بڑا ورثہ روس میں چھوڑا۔[31]

امریکی استشراق کے ڈانڈے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی مشنری عیسائی تحریکوں 'تحریک تنصیر' اور 'تحریک تبشیر' سے جا ملتے ہیں۔ شروع میں امریکی استشراق کے بنیادی مقاصد 'تبشیری تحریک' کے تابع تھے، جب کہ بعدازاں مسلم دنیا میں امریکی اثر ونفوذ کے سیاسی ہدف کی تکمیل اس تحریک کا اولین مقصود ٹھہری۔[32]

تحریک استشراق کے اسباب ومحرکات

تحریک استشراق کے اسباب ومحرکات (reasons and motives) کو کئی اعتبارات سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں ہم اس تحریک کے چند ایک اہم محرکات کا مختصر جائزہ پیش کر رہے ہیں:

طبعی محرکات (Natural Motives)

دوسروں کے مذاہب، افکار، معاشرت اور اقتصادیات کے بارے میں جاننے کی ایک فطری خواہش تقریباً ہر انسان میں موجود ہے۔ تحریک استشراق کے محرکات میں سے ایک اہم محرک یہی فطری خواہش تھی کہ جس نے اہل مغرب کو مشرق، مشرقی تہذیب اور مشرقی علوم وفنون کے بارے جاننے کے لیے ابھارا۔[33]

تاریخی محرکات (Historical Motives)

مشرق ومغرب کے مابین تعلقات زمانہ قدیم سے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے مابین وقتاً فوقتاً فکری مکالمہ اور عسکری مہم جوئی ہوتی رہی ہے۔ یہ فکری وعسکری نزاع بھی اہل مغرب کے لیے ایک اہم محرک بنا ہے کہ وہ مشرق کے بارے زیادہ سے زیادہ جان کاری حاصل کریں یا اس کے لیے کوشش کریں۔[34]

دینی محرکات (Religious Motives)

چرچ اور اس کے متولیوں میں سے ایک بڑی تعداد نے اسلام کا چہرہ مسخ کرنے کے لیے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے متعلق حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے لیے مشرقی علوم وفنون کی طرف توجہ دی۔ علاوہ ازیں اس تحریک کے دینی محرکات میں عیسائی عوام کی اسلام کی طرف رغبت کو روکنا اور مسلمانوں کو عیسائی بنانا بھی شامل تھا۔ اسی طرح مصادر اسلامیہ یعنی کتاب وسنت میں تشکیک پیدا کرنے میں یہودی مستشرقین کی ایک جماعت نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان یہودی مستشرقین میں گولڈ زیہر Goldziher (1850-1921ء)، نولڈکے Theodor Noldeke (1836-1930ء)، رچرڈ بیل Richard Bell (1876-1952ء)، بلاشیر Régis Blachère (1900-1973ء) اور ول ہاؤزن JuliusWellhausen (1844-1918ء) وغیرہ شامل ہیں۔

استعماری محرکات (Imperialistic Motives)

انیسویں صدی عیسوی میں تقریباً تمام عالم اسلام مغربی استعمار کا حصہ بن گیا۔ مشرق پر اپنے غلبہ کو برقرار رکھنے کے لیے حاکم قوتوں نے مشرق کے علوم وفنون اور تاریخ ولغات کی طرف خصوصی توجہ دی تاکہ غلام قوم کی نفسیات وزبان جانتے ہوئے اس سے بہتر انداز میں کام لیا جاسکے۔ جرمن مستشرق کارل ہائنرک بیکر Carl Heinrich Becker (1876-1933ء) افریقہ میں جرمن استعمار کی خاطر 1885-1886ء میں خدمات سرانجام دیتا رہا۔ مستشرق کرسٹیان سنک ہرگرانش Christiaan Snouck Hurgronje (1857-1936ء) 1885ء میں ہالینڈ کی حکومت کی طرف سے مکہ میں عبدالغفار کے نام سے اپنی خدمات پیش کرتا رہا اور بعدازاں انڈونیشیا میں بھی رہا۔[35]

علمی محرکات (Academic Motives)

مستشرقین کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے مشرقی علوم کی طرف متوجہ ہوئی۔ یہ اگرچہ اپنے کام میں تو مخلص ہیں، لیکن اپنی تحقیقات کے نتائج میں انہوں نے بھی بعض مقامات پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ ایسا یا تو عربی زبان میں رسوخ نہ ہونے کے سبب سے ہوا یا پھر مغربی معاشروں میں اسلام کے بارے رائج عام تصورات سے متاثر ہونے کے سبب سے۔ ان میں فرانسیسی مستشرق مورس بوکائے Maurice Bucaille (1920-1998ء) اور عبدالکریم جرمینس GyulaGermanus (1884-1979ء) وغیرہ شامل ہیں۔[36]

اسی محرک کے تحت فلکیات، جغرافیہ، تاریخ، طب، ریاضی اور فلسفہ سے متعلق سینکڑوں کتب کو ایڈٹ کر کے شائع کیا گیا اور ان کے تراجم عربی سے یورپین زبان میں کیے گئے تاکہ مسلمانوں کے علوم وفنون کی روشنیوں سے یورپ کی جہالت کی تاریکیوں کو دور کیا جاسکے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریک استشراق کے اہداف ومقاصد

مستشرقین نے مشرقی علوم وفنون کے حصول کی خاطر اپنی زندگیاں کیوں کھپا دیں؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ بلاشبہہ اگر یہی مستشرقین مغربی علوم وفنون کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتے، تو نسبتاً زیادہ مالی یا معاشرتی فوائد اور شہرت حاصل کر سکتے تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی زندگیوں کو مشرقی علوم وفنون کے لیے وقف کر دیا۔

مسلمان اہل علم نے تحریک استشراق کے کئی ایک اہداف ومقاصد (objectives and goals) بیان کیے ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

دین اسلام کی تعلیمات اور تصویر کو مسخ کرنا

جرمن مستشرق روڈی پارٹ Rudolf Rudi Paret (1901-1983ء) کا کہنا ہے کہ معاصر استشراقی جدوجہد کا مقصود دین اسلام کو باطل دین ثابت کرنا اور مسلمانوں کو دین مسیحیت کی طرف راغب کرنا ہے۔[37]

روڈی پارٹ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ازمنہ وسطی میں عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد علوم اسلامیہ کی طرف اس لیے متوجہ ہوئی کہ دین اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت کو مسخ کر سکے، کیوں کہ ان کا یہ ذہن بن چکا ہوا تھا کہ جو دین بھی مسیحیت کے خلاف ہے، اس میں کوئی خیر نہیں ہو سکتی۔[38]

اسلام کے غلبے کا خوف (Islam Phobia)

مغرب میں اسلام کے پھیلاؤ کو روکنا اور عیسائیوں کو مسلمان ہونے سے بچانا بھی تحریک استشراق کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ اس مقصد کے تحت مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے اپنی تحقیقات کے ذریعے مسلمانوں اور اسلام کے بارے اہل یورپ کے دلوں میں نفرت، بغض اور تعصب کو جنم دیا۔

برطانوی رہنما جلادستون نے 1882ء میں کہا تھا کہ جب تک قرآن موجود ہے، یورپ کے لیے مشرق کو مغلوب کرنا ممکن نہیں ہے، بل کہ قرآن کی موجودگی میں یورپ کے لیے اپنے آپ کو حالت امن میں محسوس کرنا بھی درست نہیں ہے۔[39]

الجزائر میں متعین فرانسیسی گورنر کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم ان کے وجود سے قرآن مجید کو کھرچ ڈالیں اور ان کی زبانوں سے عربی زبان کو اکھیڑ دیں تو اسی صورت ہم صحیح معنوں میں ان سے بدلہ لے سکتے ہیں۔[40]

امریکی مستشرق برنارڈ لویس کو امریکی سیاست کا وفادار مستشرق مانا جاتا ہے۔ یہ صاحب عالم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

rientalists.inp

اسلام کو اس وقت مغرب اور مغربی تہذیب کے لیے ایک بڑا خطرہ قرار دیتے ہیں۔[41]

مسلمانوں میں عیسائیت کی ترویج

مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے ان کے دین وعقائد میں تشکیک پیدا کرنا بھی تحریک استشراق کا ایک اہم مقصد ہے۔ استاذ عبدالرحمٰن میدانی کا کہنا ہے کہ یورپ کی اکثر یونی ورسٹیوں میں علوم اسلامیہ اور علوم عربیہ کا تعلیمی نصاب، منہج اور طریق تدریس طے کرنے والے متعصب مستشرقین یا تنصیری ہیں۔[42]

جرمن مستشرق جوہان فک Johann Fuck نے لکھا ہے کہ استشراق محض کوئی علمی تحریک نہیں ہے، بل کہ اس کا مقصود اسلام کا رد اور مسلمانوں میں عیسائیت کی ترویج ہے۔[43]

اصلاح مذہب (Reformation)

ابن رشد Avicenna (980-1037ء) کے فلسفے کے سبب سے اہل مغرب میں ہی ایک بڑی تعداد مصلحین (Reformists) کی پیدا ہو چکی تھی، جنھوں نے اپنے مذہب کی اصلاح کے لیے مسلمانوں کے علوم وفنون کی طرف توجہ دی۔ ایسے مصلحین کو عموماً مسیحی دنیا میں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مارٹن لوتھر Martin Luther (1483-1546ء) وغیرہ پر اہل روم نے یہ تہمت لگائی کہ وہ مسیحی دین کو دین محمد ﷺ سے تبدیل کرنا چاہتا ہے۔[44]

سیاسی مقاصد

معروف برطانوی مستشرق ایڈورڈ لین Edward William Lane (1801-1876ء) 1825ء میں مصر آیا اور 10 سال یہاں قیام کیا۔ لندن واپسی پر اس نے 1836ء میں ایک کتاب 'أخلاق وعادات المصريين المعاصرة' شائع کرائی۔ اس کتاب کے کئی طبعات انگلینڈ، جرمنی اور امریکا سے شائع ہوئے تاکہ مغرب، مشرق پر حملہ آور ہونے سے پہلے اس کے بارے میں ممکن معلومات حاصل کر سکے۔[45]

عصر حاضر اور استشراق

استشراق کی یہ تحریک عصر حاضر میں بھی جاری ہے، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ برطانوی استعمار کے زمانے میں برطانیہ کے مستشرقین اس تحریک کی قیادت کر رہے تھے اور اب امریکی استعمار کے زمانے میں امریکی استشراق دنیا بھر کے مستشرقین کا عالمی ترجمان ہے۔ امریکی استعمار کے نمایندہ مستشرقین میں ہمیں ہیملٹن گب Sir Hamilton Alexander Rosskeen Gibb (1895-1971ء) کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام ملتا ہے، جو شروع میں تو لندن یونی ورسٹی میں School of Oriental and African Studies میں پروفیسر رہا اور بعد ازاں اس نے ہارورڈ یونی ورسٹی میں Harvard Center For Middle Eastern Studies کی بنیاد رکھی اور اس کا ڈائرکٹر بھی رہا۔ اس نے پہلی جنگ عظیم میں برطانوی فوج کے لیے Royal Regiment of Artillery میں کام کیا۔

گب Gibb کے نمایاں شاگردوں میں ہمیں برنارڈ لیوس Bernard Lewis کا نام ملتا ہے، جو 1916ء میں لندن میں پیدا ہوا اور ابھی حیات ہے۔ برنارڈ لیوس نے بھی دوسری جنگ عظیم میں برطانوی رائل آرمڈ کور Royal Armoured Corps اور انٹیلی جنس کور Intelligence Corps میں کام کیا تھا۔ شروع میں لندن یونی ورسٹی میں School of Oriental and African Studies کا چیئر مین رہا اور بعد ازاں پرسٹن یونی ورسٹی، امریکا سے وابستہ ہو گیا۔ مشرق وسطی اور مسلم دنیا سے متعلق فارن پالیسی مرتب کرنے میں امریکی حکومتیں کئی ایک دہائیوں سے اس کے مشوروں پر عمل کرتی چلی آئی ہیں۔ اسے مشرق وسطی اور اسلامی تاریخ پر تحقیقی کام کی وجہ سے مغرب میں "The doyen of Middle Eastern studies" اور "Father of Islamic studies" اور "Sage for the Age" اور "The West's most distinguished scholar on the Middle East" اور "The most influential postwar historian of Islam and the Middle East" جیسے القابات سے جانا جاتا ہے۔ 1966ء میں قائم ہونے والی آرگنائزیشن Middle East Studies Association of North America کا وہ بانی رکن تھا، لیکن 2007ء میں اس نے اس سے اختلاف کے سبب سے اپنی نئی تنظیم Association for the Study of the Middle East and Africa کے نام سے بنالی اور اس کا چیئر مین قرار پایا۔

مستشرقین کی کئی ایک مؤسسات اور جمعیتیں (Associations and Organizations) اس وقت Middle Eastern ،African Studies ،Oriental Studies ،Asian Studies ،Islamic Studies اور Area Studies کے نام سے کام کر رہی ہیں۔ یورپ اور امریکا میں موجود کئی ایک یونی ورسٹیوں میں اس سے نام سے قائم کیے گئے سکولز، سنٹرز، انسٹی ٹیوٹس اور ڈیپارٹمنٹ معاصر تحریک استشراق کے نمایاں اسباب ووسائل ہیں؛ جیسا کہ The Oriental Institute of the University of Chicago اور ہارورڈ یونی ورسٹی میں Center for Middle Eastern Studies اور لائیڈن یونی ورسٹی میں قائم Institute for Islamic and Middle Eastern Area Study اور یونی ورسٹی آف ایڈنبرگ میں قائم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

rientalists.inp

Studies Center اور The American School of Oriental Research اور Royal Asiatic Society of Great Britain and Ireland وغیرہ اہم ہیں۔

معاصر تحریک استشراق کے نمایاں وسائل وذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ اسلام کے بارے میں انسائیکلوپیڈیاز کی تیاری ہے۔ 1953ء میں مستشرقین نے Shorter Encyclopaedia of Islam کے نام سے ایک انسائیکلوپیڈیا شائع کیا۔ بعد ازاں اس انسائیکلوپیڈیا کے دوسرے اڈیشن کو Encyclopaedia of Islam کے نام سے 1954ء سے 2005ء کے دوران میں مرتب کیا گیا۔ اور اگر اس کے فہرست حوالہ جات indexes کو بھی شامل کیا جائے تو یہ 2007ء میں جا کر کہیں مکمل ہوا ہے اور اس کی تکمیل میں تقریباً 53 سال لگے ہیں۔ 2007ء میں اس کے تیسرے اڈیشن کی اشاعت بھی شروع ہوگئی ہے۔ فہارس کے علاوہ یہ انسائیکلوپیڈیا 12 جلدوں پر مشتمل ہے، جب کہ تین جلدیں فہارس کی علاوہ ازیں ہیں۔ اس کے 25 کے قریب اڈیٹرز میں سے پانچ اڈیٹرز ان چیف ہیں۔ یہ انگریزی اور فرانسیسی دونوں زبانوں میں دستیاب ہے، جب کہ تیسرا ایڈیشن آن لائن بھی موجود ہے۔[46] یہ اسلام کے بارے مغرب میں پائی جانے والی غلط فہمیوں، شکوک وشبہات اور اعتراضات کا مرجع وماخذ ہے۔ نیدرلینڈ کی ایک ڈچ کمپنی، برِل Brill نے اسے شائع کیا ہے۔ یہی کمپنی Encyclopedia Islamica کے نام سے بھی 16 جلدوں میں اسلام، شیعہ ازم اور ایران کے بارے ایک انسائیکلوپیڈیا مرتب کر رہی ہے، جس کی 2012ء تک 3 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن اس انسائیکلوپیڈیا کے اکثر مضامین 32 جلدوں میں موجود شیعہ اسلام اور ایران کے بارے ایرانی فارسی انسائیکلوپیڈیا 'دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی' کا ترجمہ یا اس سے ماخوذ ہیں۔ برِل Brill ہی نے 2005-2001ء میں 5 جلدوں میں قرآنی دائرۃ المعارف Encyclopedia of the Quran بھی شائع کیا ہے اور ایک جلد فہارس کی علاوہ ازیں ہے۔ اس کی اڈیٹر Jane Dammen McAuliffe جو پہلے جارج ٹاؤن یونی ورسٹی میں جارج ٹاؤن کالج کی ڈین رہی ہیں اور اب Bryn Mawr College کی صدر ہیں۔

1995ء میں آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس نے چار جلدوں میں The Oxford Encyclopedia of the Modern Islamic World کے نام سے جدید مسلم دنیا کا انسائیکلوپیڈیا شائع کیا۔ اس انسائیکلوپیڈیا کے چیف اڈیٹر جان لوئیس ایسپوزیٹو John Louis Esposito ہیں، جو جارج ٹاؤن یونی ورسٹی، واشنگٹن میں بین الاقوامی تعلقات اور علوم اسلامیہ کے استاد ہیں۔ وہ Middle East Studies Association of North America اور American Council for the Study of Islamic Societies کے صدر رہے ہیں۔ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے علاوہ Center for the Study of Islam & Democracy کے بورڈ آف ڈائرکٹرز میں رہے اور جارج ٹاؤن یونی ورسٹی ہی میں Prince Alwaleed Bin Talal Center for Muslim-Christian Understanding کے ڈائرکٹر ہیں۔ 2013ء کے لیے انھیں American Academy of Religion کا صدر بنایا گیا ہے۔2009ء میں انھی کی زیرنگرانی پانچ جلدوں میں آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس نے The Oxford Encyclopedia of the Islamic World بھی شائع کیا۔موصوف اسلام کے بارے میں نسبتاً نرم گوشہ رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان پر اسلام پسند ہونے کا الزام بھی ہے۔ انھوں نے ①Unholy War: Terror in the Name of Islam، ②The Islamic Threat: Myth or Reality? ③Islam: The Straight Path، ④Makers of Contemporary Islam، ⑤Political Islam: Radicalism, Revolution or Reform اور ⑥Islamophobia: The Challenge of Pluralism in the 21st Century کے نام سے کتابیں لکھیں ہیں۔

امریکن لائبریری ایسوسی ایشن American Library Association نے بھی 2007ء میں Encyclopedia of Islam & the Muslim World کے نام سے ایک انسائیکلوپیڈیا مرتب کیا ہے۔ پرنسٹن یونی ورسٹی، امریکا نے The Princeton Encyclopedia of Islamic Political Thought کے نام سے اوائل اسلام سے لے کر اب تک کے مسلم سیاسی افکار پر ایک انسائیکلوپیڈیا مرتب کیا ہے، جو 2012ء میں شائع ہوا ہے۔

حواشی

[1] محمد اکرم چوہدری پروفیسر ڈاکٹر، استشراق، تکملہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، طبع اول، مارچ 2002ء: 565/1

[2] عمر بن ابراھیم رضوان، الدکتور، آراء المستشرقین حول القرآن الکریم وتفسیرہ: دراسة ونقد، دار طیبة، الریاض: ص 23

[3] فاروق عمر فوزی، الأستاذ الدکتور، الاستشراق التاریخ الإسلامی، الأھلیة للنشر والتوزیع، المملکة الأردنیة الھاشمیة، عمان، الطبعة الأولی، 1998ء: ص 30

[4] احمد عبدالرحیم السایح، الدکتور، الاستشراق فی میزان نقد الفکر الإسلامی، الدار المصریة، القاھرة، الطبعة الأولی، 1996ء: ص 15

[5] سید محمد الشاہد، الاستشراق ومنھجیة النقد عند المسلمین المعاصرین، الاجتھاد، العدد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

rientalists.inp

22، شتاء عام1414ھ/1994ء: ص197

[6] مجموعة من علماء، المعجم الوسيط ، دار الدعوة، القاهرة: 591/2

[7] یحییٰ مراد،معجم أسماء المستشرقين: ص20، مطبع www.kotobarabia.com

[8] البعلبکی ،الدکتور منیر روحی،دار العلم للملايين، بيروت، 1995ء: ص95

[9] سمایلوفیتش ،الدکتور احمد،فلسفة الاستشراق وأثرها فی الأدب العربی المعاصر، دار المعارف، مصر، 1980ء: ص37

[10] اسماعیل،محمد بن علی،الدکتور،الاستشراق بين الحقيقة والتضليل، الكلمة للنشر والتوزيع، مصر، الطبعة الثالثة، 2000ء: ص10-9

[11] الاستشراق بين الحقيقة والتضليل: ص13

[12] علی بن ابراہیم النملۃ ،الاستشراق والدراسات الإسلامية، الطبعة الأولى، مكتبة التوبة، 1998ء: ص124

[13] آراء المستشرقين حول القرآن الكريم وتفسيره: ص23

[14] الاستشراق بين الحقيقة والتضليل : ص19

[15] الاستشراق والدراسات الإسلامية:ص132

[16] الاستشراق الإسرائيلی فی المصادر العبرية:ص19

[17] المستشرقون:124/1-110

[18] الاستشراق والغارة على الفكر الإسلامی: ص14

[19] ایضاً:ص15 [20] ایضاً:ص15

[21] ایضا [22] ایضاً:ص17

[23] محمد عبداللہ الشرقاوی،الدکتور،الاستشراق والغارة على الفكر الإسلامی،دار الهداية ، القاهرة، 1989ء:ص11

[24] آراء المستشرقين حول القرآن الكريم وتفسيره : ص38

[25] الاستشراق والإسلام:ص20-19

[26] الاستشراق الإسرائيلی فی المصادر العبرية، محمد جلاء إدريس، الدكتور، العربی للنشر والتوزيع، القاهرة،1995ء:ص13

[27] الاستشراق بين الحقيقة والتضليل:ص25

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

[28] الاستشراق الإسرائیلی فی المصادر العبریة:ص69

[29] الاستشراق بین الحقیقة والتضلیل :ص20

[30] الاستشراق الإسرائیلی فی المصادر العبریة :ص72

[31] ایضاً:ص73-78

[32] الاستشراق الإسرائیلی فی المصادر العبریة :ص80

[33] آراء المستشرقین حول القرآن الکریم وتفسیره : ص29

[34] ایضاً:ص30

[35] آراء المستشرقین حول القرآن الکریم وتفسیره:ص35

[36] ایضاً:ص36-37

[37] الاستشراق الإسرائیلی فی المصادر العبریة :ص24

[38] الاستشراق بین الحقیقة والتضلیل: ص28-29

[39] الاستشراق بین الحقیقة والتضلیل:58-59

[40] ایضاً:ص59 [41] ایضاً:ص74

[42] عبدالرحمٰن المیدانی،أجنحة المکر الثلاثة، دار القلم، دمشق، ص:150

[43] الاستشراق بین الحقیقة والتضلیل:ص35

[44] فاضل محمد عواد الکبیسی،المستشرقون المعاصرون، دار الفرقان، الأردن، 2005ء: ص26-27

[45] الاستشراق بین الحقیقة والتضلیل:56-57

[46] http://www.brill.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

se munharaf

منحرف حکام سے قتال کی بحث

ڈاکٹر محمد خیر ہیکل* رگل زادہ شیر پاؤ**

[زیرنظر مضمون میں اس نکتے پر اصولی بحث کی گئی ہے کہ کیا کفر بواح سے کم تر انحراف کی صورت میں حکم ران کے خلاف خروج ہوسکتا ہے یا نہیں؟ عملی طور پر خروج کے شرعی شرائط وضوابط کیا ہیں؛ یہ ایک علاحدہ اور مستقل بحث ہے؛ بنابریں اسے محض اصولی تناظر ہی میں دیکھا جانا چاہیے۔ (مدیر)]

قدیم علما اور جدید مفکرین میں سے جن حضرات نے اس موضوع پر بحث کی ہے، اُن کی کتابوں میں اس قتال کے کئی نام ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

خروج، مسلح بغاوت، انقلاب، اسلامی انقلاب، مسلح انقلاب، بیداری، خوں ریزی، فتنہ، ظلم کے خلاف جنگ، امرا کے خلاف جنگ، حکام کے خلاف قیام، تلوار اُٹھانا، تحریک آزادی، خانہ جنگی۔

ان سارے اور ان کی طرح دیگر ناموں سے مراد ایک ہی ہوتی ہے، یعنی منحرف حکم رانوں کو ہٹانے کے لیے اسلحہ کا استعمال۔ اس مقالے کا مقصود اس موضوع کے تمام پہلوؤں سے تعرض کرنا نہیں ہے، اس وجہ سے ہم اتنی ہی بحث پر اکتفا کریں گے جو ہمارے موضوع سے متعلق ہے؛ یعنی قتال اور اس کے دیگر لازمی پہلو، اور یہ کہ کیا یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے؟ اس بنا پر ہم درجہ ذیل نکات کی صورت میں اس پر گفت گو کریں گے:

① حکم ران کا انحراف اور اس کے اسباب وذرائع۔

② منحرف حکم ران کو ہٹانے کے لیے اسلحہ کے استعمال میں فقہا اور مسلمان مفکرین کی آرا۔

③ کیا منحرف حاکم کے خلاف جنگ جہاد فی سبیل اللہ میں سے ہے؟

*استاذ، جامعہ اُم درمان الاسلامیہ، دمشق

**رفیق، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آغاز ہی میں بہتر یہ ہے کہ ہم اس بنیاد کی وضاحت کریں جس پر ہمارے اس موضوع کے سلسلے میں بحث کی عمارت کھڑی ہے۔ ہمارا مقصد مستشرقین کے اعتراضات کے مقابلے میں اسلامی نظام حکومت کا دفاع نہیں ہے؛ جیسے مارگولیتھ کہتا ہے کہ مسلمان عوام کو حکم ران کے خلاف آواز اُٹھانے کا حق نہیں ہے؛ مک ڈونلڈ کہتا ہے کہ مسلمانوں کا امام آج کل کے معروف معنوں میں ایک دستوری حکم ران نہیں ہوتا؛ تھامس آرنلڈ کا کہنا ہے کہ خلافت ڈکٹیٹرشپ ہی کی ایک قسم ہے۔[1]

ہم اپنے مقالے میں ان اعتراضات اور ان کے جوابات کو بنیاد نہیں بنائیں گے۔ بعض مسلمان مفکرین اپنی کتابوں میں یہ طریقہ اپناتے ہیں کہ پہلے وہ ان شبہات اور اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں، جو مستشرقین یا ان کے شاگردوں نے اسلامی نظام حکومت کے خلاف مغربی نقطہ نظر سے اٹھائے ہیں۔ پھر وہ اسلامی ورثہ میں ایسے اجتہادات اور آرا کو تلاش کرتے ہیں جو اِن اعتراضات کا جواب دینے کے لیے مناسب ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض اقوال اور آرا معترضین کے افکار کے خلاف ہوتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ اجتہادات اور آرا کسی مضبوط اور قابل قبول شرعی دلیل کا سہارا نہیں رکھتے۔

مسلم مفکرین کے اس طریق کار کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مغربی فکر ہی ہماری بحث وتحقیق کا مدار بن جاتی ہے اور کسی رائے یا فکر کے صحیح یا غلط ہونے میں وہی ہمارے لیے کسوٹی قرار پاتی ہے۔ یہ چیز مسلمان مفکروں کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ اسلامی فکر کی کتر بیونت کر کے اس کو مغربی فکر کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، کہ وہی ان کی دل پسند فکر ہوتی ہے اور اسی نے ان کی عقل کو جکڑ لیا ہوتا ہے۔[2]

جی ہاں، تو اس موضوع سے گفتگو کرنے کے دوران ہمارا طریقہ یہ نہیں ہے۔ ہمارا منہج بحث یہ ہے کہ پہلے اس مسئلے میں وارد نصوص پر غور کرتے ہیں؛ اس کو لغوی اور اصولی قواعد کے ذریعے سمجھ لیتے ہیں؛ اور پھر ان کو مسئلے کی جزئیات پر منطبق کرتے ہیں۔ اگر ان نصوص میں بہ ظاہر کوئی تعارض ہوتا ہے تو اس کا ازالہ کر لیتے ہیں، مگر اسلام کے عمومی اور متعین قواعد کے سایے میں۔ ہم ایسا نہیں کرتے کہ کچھ متعین نصوص کا سہارا لیں اور کچھ دوسری نصوص سے آنکھیں بند کر لیں؛ یا ان کو بہ یک جنبش قلم منسوخ قرار دیں؛ یا یہ کہ ان کو صرف اس وجہ سے ضعیف قرار دیں کہ وہ معتمد علیہ آرا کے خلاف ہیں۔

اسلامی اور غیر اسلامی فکر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلامی فکر حقائق کو اُن نصوص کی روشنی میں دیکھتی ہے جو ہمیں ایک ایسی ذات کی طرف سے ملی ہیں جو حقائق کو ان کی پوری تفصیلات اور پیچیدگیوں کے ساتھ جانتی ہے اور اس کے علم میں وہ مقدمات بھی ہوتے ہیں جو اِن حقائق کا ذریعہ بنے ہیں۔ وہ ان حقائق کی موجودہ دقیق صورتِ حال سے بھی واقف ہے۔ مطلب یہ کہ یہ نصوص ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے موصول ہوئی ہیں، چناں چہ ہم حقائق کے ساتھ انھی نصوص کی بنیاد پر معاملہ کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

se munharaf

غیر اسلامی فکر بھی حقائق کو کچھ نصوص کی روشنی میں دیکھتی ہے، مگر یہ نصوص اس فکر کے لوگوں کی گھڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ افکار ایسی شخصیات کے ہوتے ہیں جو حقائق کی تفصیلات اور پیچیدگیوں کا احاطہ کرنے سے عاجز ہوتی ہیں۔ وہ نہ تو ان حقائق کے مصدر کو دیکھ سکتی ہیں اور نہ ان پر مرتب ہونے والے اثرات کا پہلے سے اندازہ کرسکتی ہیں۔ اب ہمارے لیے یہ جاننا مشکل نہیں ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے کون سا طریقہ حقائق کو جاننے کے لیے زیادہ درست ہے اور کس کے ذریعے مسائل کا صحیح حل نکالا جاسکتا ہے۔

انحراف حکام کی مختلف صورتیں

حکم ران کا دین سے انحراف یہ ہے کہ وہ اسلامی احکام کی پابندی نہ کرے؛ نہ ذاتی کردار میں اور نہ ملکی و بین الاقوامی سیاست میں۔ اس طرح کی کئی نصوص ہیں جن میں حکم رانوں کے انحراف کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند نصوص حسب ذیل ہیں:

انحراف کی پہلی صورت

انحراف کی ایک صورت یہ ہے کہ حکم ران گناہوں کا ارتکاب کرے۔ مفروضہ تو یہ ہے کہ حاکم شریعت کی پابندی اور اس کے نفاذ کے سلسلے میں دوسروں کے لیے نمونہ ہوتا ہے۔ جب وہ خود شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہے تو یہ چیز امت کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ حکم ران کو ناپسند کرے۔ جب ایسا ہوگا تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے حکم کو بجالانے میں کوتاہی کرے گی؛ اس طرح حکم ران کو اپنی قوم سے نفرت ہوجائے گی اور دونوں کے درمیان نفرتوں کی خلیج حائل ہوجائے گی۔ چناں چہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور ان کے درمیان تعلقات خراب ہوں گے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

خیارائمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم، و تصلون علیهم و یصلون علیکم، وشرار ائمتکم الذین تبغضونهم ویبغضونکم، وتلعنونهم ویلعنونکم.

''تمھارے بہترین حکم ران وہ ہیں، جن سے تم محبت کرتے ہو اور جو تم سے محبت کرتے ہیں۔ تم اُن کے لیے دعائے خیر کرتے ہو اور تمھارے لیے دعا کرتے ہیں۔ اور تمھارے بدترین حکم ران وہ ہیں، جن سے تم نفرت کرتے ہو اور وہ تم سے نفرت کرتے ہیں، تم ان پر لعنت کرتے ہو اور وہ تم پر۔''

راوی کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا اس صورت حال میں ہم ان کا مقابلہ نہ کریں؟ آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لا، ما أقاموا فيكم الصلاة، إلا من ولی عليه وال فرآه يأتی شيئا من معصية الله فليكره ما يأتی من معصية الله، ولا تنتزعن يدا من طاعة. [3]

''نہیں، جب تک وہ تمھارے درمیان اقامت صلاۃ کا فریضہ انجام دیں (تو اُن کے خلاف لڑنا نہیں)۔ البتہ جن کا حکم ران کوئی ایسا شخص مقرر ہوجائے جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہو تو آدمی اس کی اس نافرمانی کو ناپسند کرے اور اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔''

انحراف کی دوسری صورت

حکم ران کے انحرافات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رعایا کو معاصی کا حکم دے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

السمع والطاعة علی المرء المسلم فيما أحب وكره، مالم يؤمر بمعصية، فاذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة. [4]

''ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ (حکم ران کی) اطاعت کرے، چاہے وہ پسند کرے یا ناپسند کرے، جب تک کہ معصیت کا حکم نہ ہو۔ جب کسی کو معصیت کا حکم دیا جائے، تو پھر نہ سمع ہے اور نہ اطاعت۔''

انحراف کی تیسری صورت

حکم ران کے انحرافات میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ منکرات کا مرتکب ہو۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دنیوی مفادات کو ترجیح دیتا ہے، جس میں مالی فوائد، عہدے اور ملازمتیں اور ایسے امتیازات شامل ہوتے ہیں جو وہ اپنے لیے مخصوص کر لیتا ہے، یا اپنے رشتہ داروں اور اپنی جماعت کے کارکنوں کو دیتا ہے اور دوسرے لوگوں کو اُن سے محروم رکھتا ہے۔ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

'إنها ستكون أثرة وأمور تنكرونها'، یعنی عن قریب ایک وقت آنے والا ہے کہ نفس پرستی شروع ہوجائے گی اور تم ایسی ایسی باتیں دیکھو گے جو تمھیں ناپسند ہوں گی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے جس کو یہ صورت حال دیکھنی پڑے، تو وہ کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

'أدوا الحق الذی عليكم، واسألوا الله الذی لكم'، [5] ''تم اپنی ذمہ داریاں ادا کرو اور اللہ سے اپنا حق مانگو۔''

انحراف کی چوتھی صورت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

se munharaf

حکم ران کے انحرافات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ افرادِ امت پر ظلم کرتا ہے؛ اُن کو مارتا پیٹتا ہے؛ ان کے اموال ضبط کرتا ہے اور اعلانیہ طور پر حکومت کے اس طریقے سے ہٹ جاتا ہے، جو رسول اللہ کی سنت ہے۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! ہم برائی میں مبتلا تھے، اللہ تعالیٰ ہمارے پاس بھلائی لے آیا، اب ہم بھلائی میں ہیں۔ کیا اس بھلائی کے بعد کوئی برائی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ میں نے کہا: وہ برائی کیسی ہوگی؟ فرمایا:

یکون بعدی أئمة، لا یهتدون بهدای، ولا یستنون بسنتی، وسیقوم فیهم رجال، قلوبهم قلوب الشیاطین، فی جثمان انس.

''میرے بعد ایسے حکم ران آئیں گے، جو میرے طریقے پر نہیں چلیں گے اور میری سنت کی پیروی نہیں کریں گے۔ ان میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے، جن کے دل شیطانوں کے ہوں گے اور ان کے جسم انسانوں کے۔''

میں نے کہا: یارسول اللہ! اگر میں اس صورتِ حال کو پاؤں تو مجھے کیا کرنا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'تسمع وتطیع الأمیر، وإن ضرب ظهرك، وأخذ مالك، فاسمع، وأطع'،[6] ''تمھیں امیر کی سمع وطاعت کرنی ہوگی، چاہے تیری پشت پر کوڑے برسائے جائیں اور تیرا مال لیا جائے، تب بھی سنو اور اطاعت کرو۔''

حضرت حذیفہؓ جو کثرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کے مستقبل کے بارے میں پوچھا کرتے تھے، کہتے ہیں: عن قریب ایسے حکام آئیں گے جو تمھیں سزائیں دیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے گا۔[7]

یہ انحرافات کے چند ایسے نمونے ہیں جو مسلمان حکم ران سے سرزد ہوجاتے ہیں، حالاں کہ وہ اسلامی معاشرے میں ایک اسلامی امت کی قیادت کررہا ہوتا ہے۔ بعض احادیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ مسلمان فرماں روا کا اصل کام یہ ہے کہ وہ امت کی قیادت اللہ کی کتاب کی روشنی میں کرے گا اور مسلمانوں کے درمیان اللہ کے احکام کا قیام عمل میں لائے گا۔ اسی طرح اس کا یہ بھی فریضہ ہے کہ نماز روزے کی پابندی کرے اور نہ صرف خود شعائر اسلام کا احترام کرے، بل کہ دوسروں کو بھی اس کا حکم دے۔

اس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو کھلم کھلا، بغیر کسی روک ٹوک گناہ اور کفر کرنے کی اجازت نہ دے۔ اس مفہوم کی طرف اشارہ کرنے والی احادیث حسب ذیل ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولو استعمل علیکم عبدٌ یقودکم بکتاب اللّٰہ، فاسمعوا وأطیعوا.[8]

''اگر تمھارے اوپر ایک غلام کو بھی حاکم بنا دیا جائے، مگر وہ تمھاری قیادت کتاب اللہ کے مطابق کرے، تو تم اس کی سمع طاعت کرو۔''

ایک اور روایت میں ہے:

یا أیھا الناس اتقوا اللّٰہ، وان أمر علیکم عبد حبشیٌ مجدعٌ، فاسمعوا واطیعوا، ما اقام فیکم کتاب اللّٰہ.[9]

''لوگو! اللہ سے ڈرو۔ اگر تم پر ایک حبشی نکٹے غلام کو امیر بنا دیا جائے، مگر وہ تمھارے درمیان کتاب اللہ کا قیام عمل میں لائے تو اس کی سمع و اطاعت کرو۔''

نیز آں حضور ﷺ کا فرمان ہے: 'ألا أخبرکم بخیارکم، وشرارھم؟'، ''کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کہ تمھارے اچھے حکم ران کون ہیں اور برے کون؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کے رسول ضرور بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

خیارھم لکم من تحبونہ، و یحبکم، وتدعون اللّٰہ لھم، ویدعون اللّٰہ لکم، وشرارھم شرارھم لکم، من تبغضونہ ویبغضونکم، وتدعون اللّٰہ علیھم، ویدعون اللّٰہ علیکم.

''تمھارا بہترین حکم ران وہ ہے جس سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتا ہو، تم اس کے لیے دعا کرتے ہو اور وہ تمھارے لیے دعا کرتا ہو۔ اور ان میں سے بدترین وہ ہیں جو تم سے بدترین سلوک کرتے ہوں۔ تم انھیں ناپسند کرتے ہو اور وہ تمھیں ناپسند کرتے ہوں۔ تم ان کو بدعا دیتے ہو اور وہ تمھیں بددعا دیتے ہوں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ان سے نہ لڑیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: 'لا، دعوھم ما صاموا، وصلوا'[10]، ''نہیں؛ جب تک وہ نماز روزے کا اہتمام کرتے ہوں، تو انھیں رہنے دو۔''

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ سختی اور آسانی، پسند و ناپسند اور اپنے فائدے کے مقابلے میں سمع و طاعت کریں گے، اولوالامر سے ان کے امور میں نزاع نہیں کریں گے، سوائے اس کے کہ ہمیں کفر بواح (کھلا کفر) نظر آئے، جس پر ہمارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی برہان موجود ہو۔[11]

اب اس حکم ران کے بارے میں امت کا کیا موقف ہے، جو اس طرح کے انحرافات کا ارتکاب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

se munharaf

کر چکا ہو، یا وہ اس طریق کار کے خلاف چل رہا ہو، جو ایک مسلمان حاکم کے لیے اصل طریق کار ہے، یعنی یہ کہ وہ اپنی حکومت کتاب اللہ کی بنیادوں پر قائم کرے؛ شعائر اللہ کی پابندی کرے؛ ان کی طرف دعوت دے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو حکم ران اس طرح کی برائیوں میں مبتلا ہو اس کے خلاف ہتھیار کا استعمال جائز ہے یا نہیں، یا یہ کہ یہ موضوع تفصیل طلب ہے؟ اسی حوالے سے ہم اگلے عنوان کے تحت بحث کریں گے۔

مسلح بغاوت: قدیم و جدید علما اور ہماری راے

اس نکتے کی توضیح کے لیے ہم پہلے قدما کی آرا بیان کریں گے، پھر جدید مسلم مفکرین کے موقف کا تذکرہ ہوگا اور آخر میں مسئلہ زیر بحث سے متعلق ہم اپنی راے پیش کریں گے۔

فقہاے قدیم کی آرا

اس ضمن میں امام ابوالحسن الاشعریؒ کی کتاب 'مقالات الاسلامیین' میں یہ مرقوم ہے:

''تلوار اُٹھانے کے سلسلے میں لوگوں کے چار اقوال ہیں: معتزلہ، زیدیہ، خوارج اور بہت سے مرجیہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے لیے ممکن ہو کہ تلوار کے ذریعے باغی حکم رانوں کو ہٹا سکیں گے اور حق کو قائم کر سکیں، تو یہ واجب ہوگا۔ اس کی دلیل میں وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ ' وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ' (المائدۃ 2:5) ''بھلائی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔'' ان کی دوسری دلیل یہ آیت ہے: 'فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ' (الحجرات 9:49) ''تم زیادتی کرنے والے گروہ سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔'' یہ آیت بھی ان کی دلیل ہے: 'لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ'. (البقرۃ 124:2) ''میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا۔''

روافض کا قول یہ ہے کہ تلوار اُٹھانا باطل ہے، یہاں تک کہ اگر آدمی قتل ہوتا ہے تو ہو جائے، مگر اُس وقت تک تلوار نہ اُٹھائی جائے، جب تک کہ کوئی امام آ کر اس کا حکم نہ دے۔

ابوبکر اصم اور ان کے دیگر ہم نوا کہتے ہیں کہ تلوار کا استعمال اس وقت جائز ہوتا ہے جب لوگ ایک عادل امام پر متفق ہو جائیں تو وہ اس کے ساتھ نکلیں اور باغیوں کا خاتمہ کریں۔

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ تلوار کا استعمال باطل ہے، چاہے بچے ہی کیوں نہ ہلاک ہوں۔ ان کے بہ قول امام تو کبھی عادل ہوتا ہے اور کبھی عادل نہیں ہوتا۔ ہمارے لیے اس کو ہٹانا ممکن نہیں ہے، خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ انھوں نے حکم ران کے خلاف بغاوت کو ناپسند کیا ہے اور اسے روا نہیں سمجھا۔ اصحاب الحدیث اسی کے قائل ہیں۔[12]

حافظ ابن حزمؒ نے المحلیٰ میں اس مسئلے پر بحث کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ منحرف حکم ران کو قوت کے ذریعے ہٹانا واجب ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ بغاوت کرنے والے اتنی قدرت رکھتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں کہ وہ قوت کے ذریعے اس کو ہٹا سکیں۔ نیز یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب سے ہے، جو کہ فرض ہے اور اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔ وہ تمام احادیث جو فاسق اور منحرف حاکم کی سمع وطاعت پر دلالت کرتی ہیں، وہ منسوخ ہیں۔ ان احادیث کے منسوخ ہونے کے بارے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ فاسق حکمران کے خلاف نہ لڑنے کی وہ احادیث جو صبر کی تلقین کرتی ہیں، وہ اس صورت حال کے موافق ہیں جو قتال کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھی۔ پھر جب قتال کا حکم نازل ہوا تو یہ صورت حال منسوخ ہوگئی۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ منکر کو روکنے کا حکم باقی ہے اور وہ منسوخ نہیں ہوا، چناں چہ منکر کو روکنا، منکر کو نہ روکنے کا ناسخ ہوگا۔

اس کے بعد امام ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی رائے ہے۔ نیز ام المؤمنین حضرت عائشہ، طلحہ، زبیر اور ان کے ساتھ والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہی رائے رکھتے تھے۔ اسی طرح یہ رائے حضرت معاویہ اور ان کے ساتھ والے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی ہے۔

حضرت حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا بھی یہی موقف ہے، جو حرّہ کے موقع پر نکلے تھے۔[13]

واضح رہے کہ یہ تمام آرا ایسے منحرف حکمران کے بارے میں ہیں، جن کا انحراف کفر بواح کی حد تک نہ پہنچا ہو۔ اس سلسلے میں قدیم فقہا کی مزید آرا حسب ذیل ہیں:

امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

''رہا حکمرانوں کے خلاف خروج تو وہ حرام ہے، چاہے وہ ظالم اور فاسق ہی کیوں نہ ہوں۔ اس پر امت کا اجماع ہے اور اس پر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں۔''[14]

پھر امام نوویؒ نے امامتِ فاسق کے انعقاد سے متعلق قاضی عیاضؒ کی رائے نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ امامت ابتدائی طور پر تو فاسق کے لیے منعقد نہیں ہوتی، لیکن اگر حکمران پر فسق طاری ہو جائے، تو بعض کہتے ہیں کہ اس کو معزول کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر اس کے نتیجے میں فتنہ یا لڑائی برپا ہوتی ہے (تو پھر نہیں)۔ جمہور اہل سنت (فقہا، محدثین، متکلمین) کا کہنا ہے کہ حکمران فسق یا ظلم یا حقوق کو معطل کرنے کی بنا پر معزول نہیں ہوتا۔ اس سے ترک تعلق بھی نہیں کیا جائے گا اور اس وجہ سے اس کے خلاف بغاوت بھی جائز نہیں ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے وعظ ونصیحت اور خوف خدا کے ذریعے سمجھایا جائے۔ اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جو اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلسلے میں وارد ہوئی ہیں۔

قاضی عیاضؒ بہ قول ابوبکر بن مجاہد نے اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے۔ بعض لوگوں نے ان کا یہ قول رد کیا ہے اور اس کے جواب میں حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، بنوامیہ کے خلاف اہل مدینہ اور حجاج بن الاشعث کے خلاف تابعین اور صدرِ اول کی ایک بڑی جماعت کے قیام و خروج کو بہ طورِ دلیل پیش کیا ہے۔ قاضی عیاض کے مطابق جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حجاج کے خلاف بغاوت صرف فسق کی وجہ سے نہیں تھی، بل کہ اس وجہ سے تھی کہ وہ شریعت میں تبدیلی کر رہا تھا۔''[15]

رہا کفر بواح کا معاملہ تو اس کے بارے میں قاضی عیاضؒ کے حوالے سے امام نوویؒ شرح مسلم ہی میں لکھتے ہیں:

''اس بات پر علما کا اجماع ہے کہ کافر کی امامت منعقد نہیں ہوتی۔ اگر حکم ران بننے کے بعد اس پر کفر طاری ہو جائے تو وہ معزول ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اقامت صلاۃ اور اس کی جانب بلانے کا فریضہ ادا کرنا چھوڑ دیا، تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔''

اس کے بعد امام نوویؒ نے قاضی عیاضؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر حکم ران پر کفر طاری ہو جائے؛ یا وہ شریعت کو بدلنا چاہے؛ یا بدعت میں مبتلا ہو جائے، تو وہ ولایت کے حکم سے نکل جائے گا اور اس کی اطاعت کا حکم ساقط ہو جائے گا۔ مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ اگر ممکن ہو تو اسے ہٹا کر اس کی جگہ کسی نیک آدمی کو زمامِ اقتدار سونپیں۔[16]

ریاض الصالحین کی شرح 'دلیل الفالحین' میں بہ ضمنِ شرحِ حدیث 'وعلیٰ ألا ننازع الامر اهله الا ان ترو كفرا بواحا، عندكم من الله فيه برهان' لکھا ہے:

''امام نوویؒ کہتے ہیں کہ یہاں کفر سے مراد معاصی ہیں..... جب کہ امام قرطبیؒ نے کفر کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم حکام سے کفر کا ارتکاب دیکھو، جس پر تمھارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی برہان موجود ہو۔ یعنی کوئی حجت اور دلیل، اور ایسی چیز جس میں کوئی شک نہ ہو، جس کے ذریعے یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ کفر ہی ہے۔ اس صورت میں ضروری ہوگا کہ ایسے فرماں روا کو بھی معزول کر دیا جائے، جس کی بیعت ہو چکی ہو۔''[17]

اسی کتاب میں حدیث 'قالوا يارسول الله! ألا نقاتلهم؟ قال: لا، ما أقاموا فيكم الصلاة' کی تشریح میں لکھا ہے:

''جب تک ارباب اقتدار اقامت صلاۃ کا فریضہ انجام دیں، اس وقت تک ان کے خلاف جنگ سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روکا گیا ہے، اس لیے کہ اقامت صلاۃ اسلام کا عنوان ہے؛ یہ کفر اور اسلام کے درمیان حد فاصل ہے۔ چناں چہ یہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ فتنہ برپا نہ ہو اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی آگ نہ بھڑک اُٹھے اور اس طرح کے دوسرے امور۔ اس لیے کہ یہ حکم رانوں کے منکر سے بڑا منکر اور ان کے منکر سے زیادہ نقصان دہ ہے۔''[18]

حافظ ابن حجرؒ صحیح بخاری کی شرح 'فتح الباری' میں لکھتے ہیں:

''حدیث 'إلا أن تروا كفرا بواحا.....' مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ چناں چہ ایک روایت 'كفرا براحا' ہے، ایک 'كفرا صراحا' ہے اور ایک یہ ہے: 'إلا أن تكون معصية الله بواحا' نیز ایک روایت ان لفظوں کے ساتھ بھی ہے: 'مالم يأمرك باثم بواحا'. یہ سارے الفاظ یا تو ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں یا ان میں معنوی قرب پایا جاتا ہے، اور وہ ہے: ظاہر ہونا، واضح ہونا، اور اعلان کے ساتھ ہونا۔ اس حدیث میں لفظ 'برہان' کا مفہوم ہے: کسی آیت کی نص یا خبر صحیح جس میں تاویل کا احتمال نہ ہو۔''[19]

حافظ ابن حجرؒ کا کہنا ہے کہ میرے خیال میں کفر کی روایت اس صورت پر مبنی ہوگی، جب اختلاف ولایت میں ہو۔ چناں چہ جب تک وہ کفر بواح کا ارتکاب نہیں کرے گا اس وقت تک کسی ایسی چیز میں اس کے ساتھ منازعہ نہیں کیا جائے گا جو ولایت میں رخنہ انداز ہونے والی ہو اور معصیت والی روایت اس صورت پر محمول ہوگی، جب اختلاف ولایت کے علاوہ کسی دوسری چیز میں ہو۔ اگر منازعہ ولایت میں رخنہ انداز نہ ہو تو معصیت کی صورت میں بھی اس کے ساتھ منازعہ کرے، مگر اس طرح کہ نرمی سے اس پر تنقید کرے اور تشدد کے بغیر حق کو حق ثابت کرنے کے لیے مسلسل جدوجہد کرے۔ اس کا موقع بھی وہی ہوگا کہ جب وہ اس پر قادر ہو۔ واللہ اعلم، اور ابن التین نے داودی سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ظالم حکم رانوں کے بارے میں علما کا رویہ یہ رہا ہے کہ اگر فتنہ اور ظلم در ظلم کے بغیر ان کو ہٹانے کی قدرت ہو تو ان کا ہٹانا ضروری ہوگا، ورنہ صبر ہی کرنا پڑے گا۔

بعض علما سے منقول ہے کہ فاسق کے لیے شروع ہی سے ولایت کا انعقاد ناجائز ہے۔ اگر شروع میں وہ عادل ہو مگر بعد میں ظالم بن جائے، تو اس کے خلاف بغاوت کرنے میں اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ اس کے خلاف بغاوت جائز نہیں ہے، الا یہ کہ وہ کفر اختیار کرے تو پھر خروج جائز ہوگا۔[20]

یہ منحرف حکام کے خلاف انقلاب کے سلسلے میں قدیم فقہا کی آرا ہیں، چاہے وہ انحراف کفر بواح کے درجے کو پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو۔ قدیم فقہا کی آرا کو تین اقوال میں مرکوز کیا جاسکتا ہے:

- حکم ران کے کسی بھی قسم کے انحراف (چاہے کفر ہو یا اس سے کم) کی بنا پر اس کے خلاف مسلح خروج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

se munharaf

واجب ہے۔

- خروج کا وجوب کفر بواح کی صورت تک محدود ہے۔اس کے علاوہ انحرافات میں سمع وطاعت واجب، جب کہ خروج حرام ہے۔
- کفر بواح سے کم تر انحرافات میں بھی خروج جائز ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ظالموں کے خلاف خروج میں خود تو شرکت نہیں کی، مگر خروج کرنے والوں کو بھی ہدفِ اعتراض نہیں ٹھیرایا۔[21]

معاصر فقہا کی آرا

یہ تو ہوئے منحرف حکم رانوں کے خلاف خروج کے مسئلے میں قدیم فقہا کے اقوال؛ اب ہم دیکھتے ہیں کہ معاصر فقہا اس مسئلے میں کیا کہتے ہیں؟

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے ان کی یہ رائے نقل کی ہے کہ اگر خلیفہ دین کی ضروریات میں سے کسی چیز کے انکار کی بنا پر کافر ہوجائے، تو اس کے خلاف خروج واجب ہے اور اس کے خلاف جنگ، جہاد فی سبیل اللہ کہلائے گی۔لیکن اگر اس نے کفر نہ کیا ہو تو پھر اس کے خلاف جنگ نہیں ہوگی۔[22]

محمد اسد کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ حکومت اگر ایسا موقف اختیار کرے جس کے ذریعے وہ کھلم کھلا قرآنی نصوص کو چیلنج کرے، تو یہ کفر بواح سمجھا جائے گا۔اس سے ضروری ہوجائے گا کہ اس کو معزول کر کے اقتدار اس کے ہاتھ سے چھین لیا جائے۔لیکن اگر کھلم کھلا کفر کا ارتکاب نہ کیا ہو، تو پھر معاشرے کے تھوڑے سے افراد کے ذریعے مسلح انقلاب کے راستے سے اس کے ہاتھ سے اقتدار نہیں چھینا جائے گا، کیوں کہ شرعی نصوص میں اس کی ممانعت کی گئی ہے۔[23]

ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ کی رائے میں امام ابن حزمؒ کے قول کو ترجیح حاصل ہے، یعنی منحرف حکم ران کے خلاف بغاوت کی جائے گی، چاہے اس نے کفر بواح کا ارتکاب کیا ہو یا اس سے کم انحراف ہو۔مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وحدتِ امت کی حفاظت ہر حال میں یقینی بنائی جائے گی، اور بلاضرورت خون بہانے سے اجتناب کیا جائے گا۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی کے مطابق یہ موقف معتزلہ کی رائے کے قریب ہے، جو قدرت اور امکان کی صورت میں حکام کے خلاف خروج کو واجب قرار دیتے ہیں۔[24]

ڈاکٹر محمد سید عبدالتواب کی کتاب 'الدفاع الشرعی فی الفقہ الاسلامی' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم ران کے انحرافات دو قسموں پر ہیں: ایک وہ انحرافات ہیں، جو صرف اسلامی شریعت کی مخالفت پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اساس پذیر ہیں اور وہ کفر بواح سے کم تر درجہ کے ہیں۔

دوسرے انحرافات وہ ہیں جو اسلامی شریعت کی توہین کے درجے میں آتے ہیں۔ان کا حکم بھی کفر بواح کا ہوگا۔

پھر یہ دوسری قسم تین صورتوں میں سامنے آتی ہے۔ان میں سے پہلی دو صورتیں ڈاکٹر علی محمد جریشہ نے اپنی کتاب 'المشروعیة الإسلامیة العلیا' میں ذکر کی ہیں۔تیسری صورت کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ پہلی دونوں کی صورتوں کی طرف راجع ہوتی ہے۔وہ صورتیں درج ذیل ہیں:

① اسلامی شریعت کے علاوہ کسی قانون کو نافذ کرنا؛اس پر وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ. (المائدة44:5)

''جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں تو یہی لوگ کافر ہیں۔''

② بعض شعبوں میں اسلامی احکام کو نافذ کرنا،اور باقی شعبوں میں غیر شرعی احکام کو نافذ کرنا؛اس کے بارے میں وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لاتے ہیں:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ. (المائدة49:5)

''پس اے نبیؐ،تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق اِن لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اِن کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اُس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمھاری طرف نازل کی ہے...۔''

③ تیسری صورت یہ ہے کہ مسلمان حکمران کافر مملکتوں سے ساز باز کر کے مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کرے۔اس کے بارے میں وہ اس آیت سے استشہاد کرتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ. (الممتحنه1:60)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کی طرف محبت کی پینگیں بڑھاؤ،حالاں کہ وہ اس حق کے منکر ہیں جو تمھارے پاس آ چکا ہے۔''

'الدفاع الشرعی فی الفقه الاسلامی' کے مصنف کہتے ہیں:

''درست یہ ہے کہ شریعت کی مخالفت اور اس کی توہین میں فرق کیا جائے۔چناں چہ جو احادیث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اطاعت کے واجب ہونے سے متعلق ہیں، ان کو صرف شریعت کی مخالف والی صورت پر حمل کیا جائے گا اور قوت کے استعمال والی احادیث کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا، جب حکم ران نے شریعت کی توہین کی ہو اور وہ کفر بواح کے درجے تک پہنچا ہو۔''[25]

ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی نے حکم ران کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ معصیت کا حکم دے یا لوگوں کو شرعی واجبات میں سے کسی چیز سے روکے، تو اس میں حکم ران کی اطاعت جائز نہیں ہے، کیوں کہ 'لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق'، یعنی خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت روا نہیں ہے۔ لیکن اس امر کی بنا پر کہ وہ لوگوں کو معصیت کا حکم دیتا ہے، یہ گنجایش نہیں نکلتی کہ اس کے خلاف خروج کیا جائے۔[26]

ناقدانہ جائزہ

منحرف اصحابِ اقتدار کے خلاف قتال سے متعلق قدما اور معاصر اہل علم کی رائیں آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ اب قبل اس سے کہ ہم اپنی راے بیان کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن حزمؒ کے اس دعوے کا جائزہ لیا جائے کہ ظالم و فاسق حاکم کی سمع و طاعت سے متعلقہ احادیث منسوخ ہیں۔ اسی طرح معتزلہ اور اُن کے ہم نوا لوگوں کے اس موقف کا مناقشہ بھی ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں مروی احادیث پر علی الاطلاق عمل کرتے ہوئے فسق و ظلم کے مرتکب حکام کے خلاف جنگ لازم و واجب ہے۔

امام ابن حزم کی راے یہ ہے کہ فاسق اور ظالم حکام کی اطاعت والی احادیث منسوخ ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ احادیث جنگ کا حکم آنے سے پہلے کی صورت حال کے موافق ہیں؛ پھر قتال کے احکام نازل ہونے کے بعد یہ احادیث منسوخ ہوگئیں۔[27]

میں کہتا ہوں کہ یہ راے بہت کم زور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکم ران کے فسق اور ظلم کے باوجود اس کی اطاعت کے حکم پر مشتمل بہت سی احادیث قتال کے احکام کے بعد وارد ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں سے بہت سی حدیثوں کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مقصود وہ انحرافات ہیں، جو مستقبل میں اہل اقتدار سے سرزد ہوں گے اور اس بات کا بیان ہے کہ ان انحرافات کے مقابلے میں امت کا کیا کردار ہوگا۔

بہ طورِ مثال مصنف بن ابی شیبہ میں حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے روایت ہے کہ لوگ نبی ﷺ سے خیر کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور میں شر کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے آپ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ خیر جس میں اس وقت ہم ہیں، کیا اس کے بعد کوئی شر ہے؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں۔ میں نے پوچھا: اس سے بچاو کا کیا طریقہ ہے؟ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: تلوار۔ میں نے عرض کیا: کیا تلوار کے بعد کچھ باقی بچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی، مفاہمت؛ میں نے کہا: یارسول اللہ! اور مفاہمت کے بعد؟ فرمایا: گم راہی کے داعی، اگر تمھیں کوئی خلیفہ میں ملے تو اس کی اطاعت کرو، چاہے وہ تیری پیٹھ پر کوڑے برسائے اور تیرے مال پر قبضہ کرے۔ لیکن اگر خلیفہ نہ ہو تو بھاگ جاؤ، یہاں تک کہ تمھیں اس حالت میں موت آئے کہ تم ایک درخت کو دانتوں سے کاٹ رہے ہو۔[28]

اس حدیث سے واضح ہے کہ کلام ماضی کے بارے میں نہیں، بل کہ مستقبل کے بارے میں ہے۔ اس وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ ابن حزمؒ کا یہ دعویٰ کہ سمع وطاعت والی احادیث منسوخ ہیں، اپنی پشت پر دلائل نہیں رکھتا۔

رہی معتزلہ اور ان کے موید ین کی رائے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی احادیث پر عمل کرتے ہوئے فاسق اور ظالم حکم ران کے خلاف قتال واجب ہوگا، تو اس کی تردید امام شوکانیؒ نے یہ کہہ کر فرمائی ہے کہ جو لوگ ظالم حکم رانوں کے خلاف خروج، ان کے خلاف تلوار اُٹھانے اور اُن کو بہ زورِ بازو منکر سے روکنے کو واجب قرار دیتے ہیں، وہ کتاب وسنت کے ان عمومی احکام سے استدلال کرتے ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں وارد ہوئے ہیں۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجایش نہیں ہے کہ وہ احادیث جن کو مصنف نے اس باب ذکر کیا ہے یعنی صاحب اقتدار کے ظالم اور فاسق ہونے کے باوجود اس کی اطاعت کرنے والی احادیث، تو وہ اُن عمومی احکام سے خاص ہیں اور وہ متواتر المعنی ہیں۔ یہ بات ہر اس شخص کو معلوم ہے جس کو علومِ سنت سے شغف ہے۔ مگر کسی مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ نواسۂ رسول جیسے سلف صالحین کی شان کو کم کرے، جنھوں نے ظالم حکم رانوں کے خلاف خروج کیا تھا۔ یہ خروج انھوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر کیا تھا اور وہ بعد میں آنے والے علما کے مقابلے میں اللہ سے کہیں زیادہ ڈرنے والے اور ان کے مقابلے میں سنت رسول کی زیادہ پیروی کرنے والے تھے۔ بعض اہل علم، جیسے کرامیہ اور اُن کے موید ین نے اس سلسلے میں افراط سے کام لیا ہے کہ وہ اس باب کی احادیث پر سختی سے قائم ہیں۔ انھوں نے یہ تک کہہ دیا ہے کہ نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ باغی تھے، حالاں کہ انھوں نے شراب وکباب کے رسیا اور شریعت مطہرہ کی حرمت کو پامال کرنے والے یزید بن معاویہ کے خلاف خروج کیا تھا۔ کس قدر تعجب ہے ایسے اقوال پر جن سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے سننے سے چٹان پر بھی لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔[29]

مقصود یہ ہے کہ ظالم اور جابر حکم ران کی سمع وطاعت کی احادیث خاص ہیں، جب کہ منکر کو ہاتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

se munharaf

سے روکنے اور ظلم کو جنگ کے ذریعے دفع کرنے والی احادیث عام ہیں؛ پس عام احادیث پر عمل عام حالات میں کیا جائے گا اور مخصوص حالات میں خاص احادیث پر عمل کیا جائے گا۔ اس طرح عام دلائل کا ایک میدان ہوگا اور خاص دلائل کا دوسرا میدان ہوگا، جیسا کہ علماے اصول کہتے ہیں کہ اگر دونوں دلیلوں پر عمل ہو جائے، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک دلیل پر عمل کیا جائے اور دوسری کو چھوڑ دیا جائے۔[30]

قابل ترجیح راے

اب ہم اس راے کا تذکرہ کرتے ہیں، جو ہماری نگاہ میں لائق ترجیح ہے۔ ہمارے خیال میں نصوص شرعیہ سے درج ذیل نکات معلوم ہوتے ہیں:

اگر حکم ران کا انحراف، فسق، ظلم یا معصیت کا حکم دینے کی بنا پر ہو تو اس صورت میں صبر کا رویہ اپنایا جائے گا اور اس کے خلاف جنگ نہیں کی جائے گی۔ لیکن انحراف کی مخصوص صورتوں میں جنگ کی اجازت ہوگی، مثلاً یہ کہ حکم ران کا انحراف اگرچہ کفر بواح کے درجے تک نہ پہنچا ہو مگر شریعت نے اسے حکم ران کے خلاف جنگ کے سلسلے میں کفر بواح کا قائم مقام قرار دیا ہو۔ اس لیے کہ ایسا انحراف اسلامی معاشرے کے لیے بہت خطرناک ہوتا ہے۔

اس طرح کے انحرافات حسب ذیل ہیں:

① ترکِ نماز

② ترکِ روزہ

ان دونوں حالتوں کی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے، جس میں آیا ہے کہ 'دعوهم ما صاموا وصلوا'، ''جب تک وہ صوم وصلاۃ کی پابندی کریں تو ان کو رہنے دو۔''[31]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ نماز، روزہ ترک کر دیں، تو ان سے قتال کرو۔

③ حکم ران اُمت میں اقامت صلاۃ کا اہتمام نہ کرے۔ اس کی جانب یہ حدیث اشارہ کناں ہے: 'قلنا يا رسول الله! أفلا ننا بذهم عند ذلك؟ قال: لا، ماأقاموا فيكم الصلاة...'[32]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ تمھارے درمیان نماز کی اقامت نہ کریں تو پھر ان کے خلاف جنگ کرو اور حاکم کے امت کے درمیان نماز قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ امت کو نماز کی طرف دعوت دے اور نماز چھوڑنے پر لوگوں کا احتساب کرے، کیوں کہ ترک صلاۃ پر احتساب نہ کرنے کے معانی یہ ہیں کہ نماز کی جانب دعوت محض ایک شکل وصورت ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ عصر حاضر میں نماز چھوڑنے پر احتساب کا مطلب یہ ہے کہ ریاست میں جرم وسزا کے قوانین میں اس کے لیے بھی کوئی سزا مقرر ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاضی عیاض کا قول ہے کہ حاکم کے نماز کی طرف دعوت کو ترک کرنے کی مثال اس طرح ہے جیسے اس پر کفر طاری ہو گیا ہو۔ چناں چہ اس کے ذریعے وہ امامت سے معزول ہو جاتا ہے۔[33]

نماز چھوڑنے پر کسی کا محاسبہ کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ حکم ران ہر فرد پر کسی کو نگران مقرر کرے گا، کہ جب بھی کوئی شخص نماز کو ترک کرے تو اس پر ٹوٹ پڑے۔ یہ طریقہ عہد رسول ﷺ یا عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں موجود نہیں تھا۔ حاکم صرف اس بات پر اکتفا کرے گا کہ اسلامی معاشرے میں اسلام کی اس اہم ترین نشانی کے بارے میں لاپروائی اور استخفاف کا رویہ پنپنے نہ پائے۔

④ حکم ران کے انحراف کی ایک چوتھی حالت بھی ہے، جو کفر بواح سے کم ہے، لیکن اگر اسلامی معاشرے میں وہ چیز نمایاں ہو تو اس کی بنا پر حکم ران کے خلاف قوت کا استعمال جائز ہو جاتا ہے، اور وہ ہے معصیت بواح کی حالت؛ یعنی بغیر کسی روک ٹوک کے کھلم کھلا گناہوں کا ارتکاب۔

اس کی طرف اُس روایت سے اشارہ ملتا ہے، جسے حافظ ابن حجر نے 'فتح الباری' میں نقل کیا ہے کہ 'ولا ننازع الأمر أهله إلا أن تكون معصية الله بواحا'، "یہ کہ ہم حکم رانوں کے ساتھ منازعہ نہ کریں سوائے اس کے کہ معصیت بواح کا ارتکاب ہو جائے۔"[34]

اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ اگر معصیت بواح یعنی کھلم کھلا معصیت کا ارتکاب شروع ہو جائے، تو پھر حکام سے منازعہ جائز ہوتا ہے۔

⑤ انحراف کی صورتوں میں ایک پانچویں صورت بھی ہے؛ جو اگرچہ کفر بواح نہیں ہوتی، مگر اس کا حکم حاصل کر لیتی ہے۔ یہ صورت اس روایت کی شکل میں سامنے آتی ہے: 'مالم يأمرك باثم بواح'، یعنی جب تک حکم ران تمھیں کھلم کھلا گناہ کا حکم نہ دیں۔[35]

اس روایت کا منطوق یہ ہے کہ حکم رانوں سے مسلح جنگ اس وقت تک جائز نہیں ہے، جب تک وہ کھلم کھلا گناہ کا حکم نہ دیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے چوری چھپے گناہ کا بھی حکم دیا، جس پر 'اثم بواح' کا لفظ صادق نہیں آتا، تو ان کے ساتھ جنگ جائز نہیں ہوگی۔

لیکن جب اربابِ اقتدار شرم وحیا کی چادر اُتار پھینکیں اور احکام شریعت کو اعلانیہ چیلنج کرتے ہوئے لوگوں کو ایسے فرامین جاری کریں، جو کھلم کھلا گناہ، فسق اور معصیت ہوں تو یہ روایت ایسے لوگوں سے جنگ کو جواز کا درجہ دے گی۔

یہ پانچ حالات وہ ہیں کہ جن پر نصوص دلالت کرتی ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی بھی صورت حال درپیش ہو، تو حکم ران کو معزول کرنے کے لیے مسلح قوت کا استعمال جائز ہو جائے گا۔

یہ پانچوں صورتیں ایسی ہیں جو حکم ران یا نظامِ حکومت کو کفر بواح کے درجے تک نہیں پہنچاتیں؛

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

se munharaf

مگر اس کے باجود شرعی نصوص نے ان کو کفر بواح کا درجہ دیا ہے، اور ان کی وجہ سے حکم ران کے خلاف مسلح انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے۔

انقلاب کو جائز ٹھیرانے والے اور اس کو ناجائز قرار دینے والے فسق کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے لیے ہم یہ مثال دینا چاہیں گے کہ وہ فسق جو حکومتی ایوانوں کے اندر ہوتا ہے اور جس میں منکرات کا ارتکاب اور حرمتوں کو پامال کیا جاتا ہے، مگر اس کی حالت لوگوں پر کھل کر ظاہر نہیں ہوتی، تو یہاں انقلاب برپا کرنے کی گنجایش نہیں ہوگی۔ لیکن اگر یہ سب کچھ ایک عام مجلس میں کسی شرم وحیا کے بغیر انجام دیا جائے اور ان کو آلات سماعت وبصارت کے ذریعے دور دور تک پھیلایا جائے، تو سمجھ لیجیے کہ ہم اللہ کی کھلی معصیت کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر اس مجلس میں حکم ران بہ ذاتِ خود موجود نہ بھی ہو، مگر وہ اس کی اجازت دے اور اس کو برا نہ کہے، تب بھی اس کا یہی حکم ہوگا۔ جی ہاں، یہاں ہم اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کے سامنے کھڑے ہیں اور اس صورت میں انھی نصوص پر عمل کرنا پڑے گا، جو اس حوالے سے رہنمائی کرتی ہیں، چناں چہ اگر اس سلسلے میں پرامن تبدیلی کی کوششیں ناکام ہوجائیں تو پھر ہتھیار اُٹھانا ضروری ہوجائے گا۔

رہا یہ سوال کہ کیا یہ قتال 'جہاد فی سبیل اللہ' کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں راجح بات یہی ہے کہ درحقیقت باغیوں سے قتال کی ایک قسم ہے، بنابریں اصطلاحی معنوں میں اسے جہاد فی سبیل اللہ نہیں کہا جاسکتا؛ البتہ اگر حکم ران مرتد ہوجائے، تو پھر اس کے خلاف جنگ کو 'جہاد فی سبیل اللہ' قرار دیا جائے گا۔

حواشی

1 ان اعتراضات کو ڈاکٹر یوسف موسیٰ نے اپنی کتاب نظام الحکم فی الاسلام، ص: 165 میں نقل کر کے ان کی تردید کی ہے۔

2 مثلاً دیکھیے: ڈاکٹر محمد عمارہ کی کتاب الاسلام والثورۃ: ص239

3 صحیح مسلم: 1481/3، رقم 1855؛ سنن البیہقی: 158/8

4 بخاری، رقم 6725؛ فتح الباری: 13/122-121، مذکورہ الفاظ بخاری ہی کے ہیں۔ مسلم: 1469/3، رقم 1839؛ سنن البیہقی: 156/8

5 بخاری، رقم 7052؛ فتح الباری: 5/13؛ مسلم، رقم 1843، 1472/3؛ سنن البیہقی: 157/8

6 صحیح مسلم، رقم 1847، 1475-76/3؛ سنن البیہقی: 157/8

7 (المستدرک للحاکم: 435/4، امام ذہبیؒ نے اسے بخاری ومسلم کی شرطوں کے مطابق قرار دیا ہے)۔

8 صحیح مسلم، رقم 1838، 1468/3

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

9 صحیح مسلم، رقم1838، 1468/3

10 طبرانی، الکبیر والاوسط؛ مجمع الزوائد: 224/5، ہیثمیؒ کہتے ہیں کہ اس کی روایت میں بکر بن یونس ایک راوی ہے جس کو احمد العجلی نے ثقہ قرار دیا ہے، باقی راوی وہی ہیں جو صحیح کے راوی ہوتے ہیں۔

11 بخاری، رقم7055؛ فتح الباری: 5/13؛ مسلم، رقم1709، 1470-1471/3؛ مشکاۃ المصابیح، رقم3366، 1086/2

12 مقالات الاسلامیین، الاشعری: ص491

13 المحلیٰ: 362/9

14 شرح مسلم للنووی: 35/8

15 شرح مسلم للنووی: 36-37/8

16 شرح مسلم للنووی: 35-36/8

17 دلیل الفالحین: 456-57/1

18 دلیل الفالحین: 460/1

19 فتح الباری: 8/13

20 ایضاً

21 الروضة البهية، صدیق حسن خان القنوجی البخاری: 520/2؛ الدفاع الشرعی فی الفقہ الاسلامی، محمد سید عبدالتواب: ص476

22 الفقه الاسلامی وأدلته، ڈاکٹر وہبہ الزحیلی: 707/6

23 ایضاً

24 الفقه الاسلامی و أدلته: 710/6

25 الدفاع الشرعی فی الفقہ الاسلامی، محمد سید عبدالتواب: ص484-479

26 منہج العودۃ الی الاسلام، ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی: ص58

27 المحلیٰ، ابن حزم: 362/9

28 مصنف ابن ابی شیبہ: 8/15؛ سنن ابوداؤد، رقم4244، 4/136-135، البانیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ دیکھیے: صحیح سنن ابوداؤد، رقم3569، 3/799-798

29 نیل الاوطار للشوکانی: 186/7

30 دیکھیے: اصول الفقہ، محمد ابوالنور زہیر: 200/4

31 مجمع الزوائد للہیثمی: 224/5

32 صحیح مسلم؛ سنن البیہقی: 158/8

33 شرح النووی علی صحیح مسلم: 35/8

34 فتح الباری: 8/13

35 ایضاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-tehzeeb

تہذیب جدید کا فکری بحران؛ اُردو ادب کے آئینہ میں

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان*

انجیل میں آتا ہے: ''..... جو شخص تمھارے داہنے گال پر طمانچہ مارے، اُس کے سامنے دوسرا گال بھی کر دو۔ جو شخص لڑنے جھگڑنے میں تمھارے کپڑے پکڑ لے اُس کو چادر بھی دے دو۔ جو شخص تم کو ایک میل تک بیگار میں پکڑ کر لے جائے، اُس کے ساتھ دو میل تک چلے جاؤ.....'' 1

عام عیسائی تو کیا' کسی باعمل عیسائی یا پادری کے ایک گال پر تھپڑ مار کر دیکھیے یا اُسے ایک میل تک بیگار میں لے جایئے، تو معلوم ہو جائے گا کہ انجیل کے حکم پر اُس کا عمل کہاں تک ہے۔ یعنی یہ تعلیم ایسی ہے جس پر عیسائی عوام تو کیا' خواص بھی عمل نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں جب اٹھارویں صدی عیسوی سے علمی بے داری عام ہونے لگی، تو ایسے کم زور دین کے خلاف مختلف گوشوں سے آواز اُٹھنے لگی۔ Bishop Berkeley (م1753ء) نے اُس آواز کے خلاف (یعنی دین کی حمایت اور مادیت کی مخالفت میں) اپنے alogues کے علاوہ Principles of human knowledge کتاب بھی لکھی اور مختلف فلاسفہ نے زندگی کے حقائق پر از سر نو غور و خوض کیا اور اپنے اپنے طور پر راہیں تلاش کیں۔ David Hume (م1776ء) اور Voltaire (م1778ء) پھر Kant (م1804ء)' Hegel (م1831ء)' Schopen- Hauer (م1860ء)' Emerson (م1882ء)' Nictzsche (م1900ء) وغیرہ بڑے بڑے فلاسفہ پے در پے اُسی زمانے میں ہوئے اور انھوں نے اپنے نقطۂ نظر سے زندگی کے حقائق کی ترجمانی کی۔ لیکن موخر الذکر یعنی نطشے Nictzsce نے اُس دین پر بھرپور حملہ کیا اور اُس کے خلاف نسلی اور جسمانی قوت کی صلاحیتوں پر زور دیا۔ اُس کے یہاں

*سابق صدر، شعبہ اردو، سندھ یونی ورسٹی (وفات: 2005ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

① Common man ② Higher mann ③ Super man کی تقسیم اسی لیے ہے۔ بہ ہرحال اُس دین میں کوئی دَم خم تو تھے نہیں، وہ بہت جلد ہار مان گیا اور اُس پر عمل صرف اتنا رہ گیا کہ اتوار کے دن اچھے کپڑے پہن کر کلیسا میں حاضری دے دی جائے اور Christmas Day میں عیش منا لیا جائے۔

لیکن ایسے دین کے ساتھ ہی فلسفے نے بھی اپنی طاقت کھو دی' کیوں کہ فلسفے میں عمل سے دُوری اور حرکت سے بُعد ہوتا ہے۔ چناں چہ اب یورپ نے مادیات کی طرف رُخ کیا اور معاشیات' اجتماعیات اور سیاسیات پر اپنا زور صرف کیا اور اُس کے لیے ادب کو بھی آلہ کار بنا لیا۔ اب 'مشینوں کے دھوئیں' سے وہاں کی فضا تاریک و مکدر ہوگئی اور اس کے نتیجے میں سرمایہ دار اور مزدور کی کش مکش اور آویزش شروع ہوگئی اور چوں کہ وہاں حرفِ 'قُلِ العفو'[2] کے سننے اور سمجھنے کی صلاحیت نہ تھی' اس لیے ردِعمل کے طور پر ایک نئے نظریے کا آغاز ہوا، جسے اشتراکیت کہا جاتا ہے اور جس کا بانی Karl Marx ہے۔ لیکن اُس سے پہلے بھی اُسی زمانے میں (یعنی اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں) کچھ اور لوگوں نے بھی معاشی ناہمواری سے اُکتا کر سرمایہ داری کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ مثلاً:-

① St. Simon (1760-1825ء)، یہ فرانسیسی سوشلسٹ تھا۔ اُس کی تحریروں کا حاصل یہ ہے کہ پیداوار کے تمام ذرائع حکومت کے قبضے میں ہونے چاہییں۔ گویا اُس کا نظریہ State Socialism کا ابتدائی خاکہ تھا۔

② Fouier (1772-1837ء)، یہ بھی فرانسیسی تھا اور ایک تاجر کا ایجنٹ تھا۔ تجارتی معاملات کی بدحالی سے متاثر ہو کر اُس نے phlanx کی تجویز پیش کی تھی۔ یعنی قریب اٹھارہ سو آدمیوں کی Socialist Community کے قیام کی تجویز تھی، لیکن اُس کی تجویز کردہ ایسی جماعت کی بستیاں آج تک قائم نہ ہوسکیں۔

③ Robert Owen (1771-1858ء)، یہ شخص انگلستان کا تھا۔ ایک کارخانے کا مالک اور منتظم رہ چکا تھا۔ اس لیے اُس نے سرمایہ داروں اور مزدوروں کے مسئلے پر زیادہ کام یاب بحث کی ہے۔ امدادِ باہمی کا اصول بھی اُسی کا وضع کردہ ہے، جو آج بھی جاری ہے۔

④ Louis Blane (1813-1882ء) یہ بھی فرانسیسی تھا۔ اُس کا نظریہ تھا کہ حکومت اپنے سرمایہ سے قومی کارخانے کھولے' اُن کے لیے تمام سامان فراہم کرے اور کچھ عرصے کے بعد یہ کارخانے خود مختار کر دیے جائیں۔ یعنی آمدنی' خرچ اور انتظامات اُن کارخانوں کے کارکنوں اور مزدوروں کے سپرد ہوں۔ اُس کا خیال تھا کہ اس طرح سرمایہ داری کی تمام خرابیاں دور ہو جائیں گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-tehzeeb

ان لوگوں کے علاوہ دوسرے مفکر بھی تھے، جنھوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق اقتصادی بدحالی کا حل پیش کیا، لیکن موجودہ اشتراکیت کا باوا آدم کارل مارکس ہی سمجھا جاتا ہے۔

Karl Marx (1818-1883ء) نے مذکورہ بالا نظریات سے بھی فائدہ اُٹھایا اور اخلاق، تمدن اور تہذیب کا ایک جدید فلسفہ تیار کیا۔ یعنی لادینی کے پردے میں روٹی، مساوات، ترقی پسندی اور قومی ملکیت کے اصول مرتب کیے۔ اُس کی خاص کتاب Das Capital ہے، جس کی پہلی جلد اُس کی زندگی میں شائع ہوگئی تھی، لیکن بقیہ دو جلدیں اس کے بعد اُس کے رفیق کار Friedrich Engels (1820-1895ء) نے شائع کیں۔ یہ کتاب یوں تو سوشلسٹوں کا صحیفہ[3] ہے، مگر اعداد و شمار کے انبار اور طرزِ بیاں کے الجھاؤ سے وہ ایک چیستان بن گئی ہے۔ اس لیے علامہ اقبال نے اُس کے متعلق کہا ہے:

تری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوطِ خم دار کی نمائش، مریز و کجدار کی نمائش[4]

مارکس نے سرمایہ داری نظام اور بورژوا طبقے کی حاکمیت کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے اور مزدوروں یا پرولتاریوں کی حکومت قائم کرنے کا منظم طریقۂ کار پیش کیا اور بتایا کہ ''انسانی معاشرے کی تاریخ دراصل طبقاتی آویزش کی تاریخ ہے اور جاگیردارانہ نظام کی تباہی کے بعد سرمایہ دارانہ نظام وجود میں آیا تو اُس نے ظلم و ستم کے نئے طریقے ایجاد کیے اور پرولتاری یعنی مزدور طبقے کو اپنا غلام بنانے کے لیے مذہب، اخلاق، قانون اور رسم و رواج جیسی چیزیں مسلط کر دیں تاکہ اُن سے اپنی مرضی کے مطابق کام لیا جا سکے۔'' تاہم مارکسی نظریہ اور اُس کا Mani festo اپنے بلند آہنگ دعووں کے باوجود، لینن، اسٹالن اور خروشیف کی ترمیمات سے اپنا تقدس کھو چکا ہے، کیوں کہ عملی زندگی میں اجتماعی مفاد کے نام پر افراد کی ہر آزادی اور ہر قسم کی شخصیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانے کے باوجود بڑے اور چھوٹے کی تمیز اب بھی باقی ہے اور خودرُوس میں تمام کارخانوں اور اداروں میں معمولی مزدوروں اور اعلیٰ افسروں کی تنخواہوں میں اسی قدر فرق ہے، جس قدر سرمایہ دارانہ نظام میں ہے اور اسی طرح اُن کے معیارِ زندگی میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔

مارکس کے آخری ایام میں تہذیبِ جدید کے فکری بحران میں ایک اور اضافہ Freud (1856-1939ء) کی وجہ سے ہوا۔ اُس نے انسانی تعلقات کا تجزیہ Pesycho-analysis کی بنا پر کیا اور اس نے کہا کہ ''انسان کی گہری باطنی حقیقت صرف جنسی طاقت اور صرف جنسیت ہے اور کوئی انسانی یا حیوانی طاقت نہیں۔'' وہ یہاں تک کہتا ہے کہ ''پوری زندگی جنس سے اُبھرتی ہے اور جنس کا ظہور بلوغ کے وقت نہیں ہوتا جیسا کہ جاہل سمجھتے ہیں، بل کہ جنس تو پیدایش کے وقت موجود ہوتی ہے اور جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اُس کے چھوٹے سے وجود میں بھی خالص جنس ہوتی ہے۔'' وہ اس طرح بھی کہتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ''بچے کا دودھ پینا، انگوٹھا چوسنا' عضلات کو حرکت دینا' بول و براز کرنا اور ماں سے لپٹنا وغیرہ سب جنسی اعمال ہیں۔'' فرائڈ کا فراڈ یہاں تک ہے کہ ''بچہ اپنی ماں سے جنسی عشق کرتا ہے'' اور ''بچی اپنے باپ سے جنسی عشق کرتی ہے مگر اِس عشق کا اخفا (Suppression) کرنا پڑتا ہے۔'' غرض کہ اِس نظریے والوں کے نزدیک دین اور اخلاق دونوں بے قیمت ہیں اور صرف جنسیت ہر جگہ کارفرما ہے۔[5]

پھر فرائڈ کے بچپن میں Darwin نے فکری بحران میں ایک ہیجان پیدا کر دیا۔ یعنی اُس نے حیوان کو انسان کی اصل کہا اور اس کے لیے دلائل قائم کیے۔ اُس نے 1859ء میں 'اصل الانواع' کتاب لکھی اور 1871ء میں 'اصل انسان' شائع کر کے انسانی فضیلت اور اُس کی اصلیت کو ملیامیٹ کر دیا۔ گویا اُس نے 'وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ.....'[6] کی نفی کی۔ اس طرح تہذیبِ جدید کا انسان' گومگو کی حالت میں مبتلا ہو گیا اور تغیر اور ارتقا والا نظریہ پوری طرح دین کا حریف بن گیا۔ پھر یورپ کے صنعتی انقلاب اور 'مشینوں کے دھوئیں' نے وہاں کی ذہنی اور فکری صلاحیتوں میں مزید ظلمت پیدا کر دی۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ کارل مارکس نے مادیت پر اپنے کام کی بنیاد رکھی تھی، اس لیے روٹی اور مادہ اس کام کا نقطۂ آغاز ہے۔ اُس مادیت کو پھیلانے کے لیے نعروں سے کام لیا جاتا ہے، جو روٹی اور مساوات کی تبلیغ کے لیے ہوتے ہیں اور مزدوروں اور غریبوں کو ہم نوا بنایا جاتا ہے۔ پھر مختلف طبقات کو آپس میں لڑانے کے لیے انتشار' توڑ پھوڑ' قتل و غارت' خون خرابہ' خفیہ سازشیں اور اخلاق سوز حرکتیں سب جائز سمجھی جاتی ہیں اور خدا کے منکر ہونے کی وجہ سے ہر ظلم کو مساوات اور سوویت کے نام پر ضروری سمجھتے ہیں۔ ہنگامے کرانا' اسٹرائیک کرنا' کام نہ کرنا' کارخانوں کے مالکوں کے خلاف سازشیں کرنا بھی اُن کے مسلک کی ضروریات میں شامل ہیں۔ علامہ اقبال نے مغربی اقتدار پرستی کی عیاری کا ذکر اس طرح کیا تھا:

متاعِ غیر پہ ہوتی ہے جب نظر اُس کی
تو ہیں ہراولِ لشکر کلیسا کے سفیر[7]

لیکن اُس تحریک والوں کی نظر جب متاعِ غیر پر ہوتی ہے تو خون خرابہ' لوٹ مار' قتل و غارت اُن کے خاص حربے ہوتے ہیں اور اس طرح امن پسند عوام کو اُن کا غلام بننے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اُن کے یہاں ① دولت کی مساویانہ تقسیم اور ② شخصی ملکیت کا استیصال' صرف اِن دو مقاصد کا اعلان ہوتا ہے۔ لیکن پھر عملی زندگی میں ایسے افراد اور اُن کی جماعت پر جو کچھ گزرتی ہے، وہ اُن کے قریب کے دیکھنے والوں کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ شخصی ملکیت' مرکزی ملکیت میں ضم ہو جاتی ہے اور مرکز کے قانون کے تحت' ہر فرد مشینی طرز کی زندگی گزارتا ہے۔ وہ روٹی کھا لیتا ہے' حیوانی ضرورتیں پوری کر لیتا ہے، لیکن وہ نہیں جانتا کہ ماں باپ کی شفقت اور اولاد یا کنبے والوں کی محبت کیا ہے۔ وہ 'مرکزی طاقت' کا مملوک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-tehzeeb

(غلام) ہے جو اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرسکتا اور جس کی خودی مرچکی ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ط هَلْ يَسْتَوٗنَ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. [8]

''اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک غلام ہے، جو دوسرے کے بس میں ملکیت میں ہے۔ کسی چیز پر اُس کا بس نہیں چلتا اور ایک وہ شخص ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھی روزی عطا کی ہے اور وہ اُس میں سے چھپا کر اور ظاہر (جیسا بھی موقع ہو) خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ سب برابر ہیں؟ سب حمد اللہ ہی کے لیے ہے، بل کہ (یہ وہ بات ہے جسے) اُن میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

مَزدک[9] کے چیلوں کی طرح اشتراکیت والوں نے مال اور زن کی مساوات کا نعرہ لگا کر لوگوں کے جائز اختیارات چھین کر اُن کو غلام، بل کہ غلام سے بدتر زندگی پر مجبور کر دیا ہے۔ وہاں خانگی زندگی صرف کھانے پینے اور ہوس رانی تک محدود ہے، کوئی کسی کا ہم راز و ہم نوا نہیں۔ جہاں باپ بیٹا اور شوہر بیوی بھی ایک دوسرے پر شک کرے اور ایک دوسرے کی چغلی کھائے اور جہاں وراثت کا حق نہ ہو، حقوق العباد اور باہمی ادائے حقوق کا کوئی جذبہ نہ ہو، وہاں غالبؔ کے وہ اشعار یاد آتے ہیں جو انھوں نے انتہائی مایوسی کے عالم میں لکھے تھے۔ یعنی:

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اِک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہم سایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مرجایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو[10]

1917ء میں رُوس نے اشترا کی حکومت قائم کی جو حقیقت میں اُس پارٹی کی ڈکٹیٹر شپ تھی۔ امریکا کے سابق صدر رچرڈ نکسن نے اپنی کتاب The Real War میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنے اور دنیا کے بعض دیگر معروف محققین اور اہل قلم کے خیالات پیش کیے ہیں، اُن میں سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

''مغرب میں اشتراکیت نازیوں کی فسطائیت سے زیادہ خطرناک ہے، کیوں کہ رُوس جس ملک پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبضہ جمانا چاہتا ہے اُس میں فاشی اور سام راجی جبر و استبداد کے خلاف نجات دہندہ بن کر داخل ہوتا ہے۔''[11]

''1930ء کی دہائی میں سوویت کھیتی باڑی کو جبراً اجتماعی بنانے کا عمل بنی نوع انسان کی تاریخ کے انتہائی زبردست مظالم میں سے ایک تھا، جو خود ہمارے زمانے میں کئی طریقوں سے کمبوچیا کی نسل کشی کے المیہ کا نمونہ بنایا گیا۔ خاندان منتشر کر دیے گئے' کسانوں کو ایک خنزیر یا ایک گائے پر اپنا قبضہ قائم رکھنے کی پاداش میں ذبح کر دیا گیا۔ لاکھوں انسانوں کے مختصر اثاثے ضبط کر لیے گئے اور انھیں مویشیوں کی گاڑیوں میں لاد کر سائبیریا کے منجمد برفانی ویرانوں میں مرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ بچے یتیم ہو کر یا اپنے ماں باپ سے بچھڑ کر اندرون ملک بھوکے پیاسے بے خانماں مارے مارے پھرتے رہے۔ مگر یورپ میں دانش ورانہ وضع کے لیڈر انقلاب کی رومانیت سے اس قدر شرسار تھے کہ انھوں نے اس خون کی طرف سے جو بہہ کر جم گیا تھا، اپنی آنکھیں بند کر لیں اور صرف انقلاب کی شان وشکوہ ان کے مدنظر رہی۔''[12]

''اسٹالن کے مر جانے اور ایک اصلاحی معاشرے کی حیثیت سے سوویت یونین کی ساکھ ختم ہو جانے کے بعد ماؤزے تنگ اور ہو چی منہ کے کمیونزم یورپ اور امریکا کے مثالیت پسندوں کی ایک نئی نسل کے لیے معاشرہ کے 'بلند ترین معیار' کا کام انجام دینے لگے۔ یہ لوگ دوسرے ملکوں کے کردار اور اُن کی کام یابیوں کو اُسی طرح دیکھتے ہیں، جس طرح دیکھنے کی ضرورت انھیں ہوتی ہے۔''[13]

آگے چل کر اسی کتاب میں مسٹر نکسن فرماتے ہیں:

''وہ طبقہ جس نے ایسی قیادت مہیا کی تھی، جس کی بہ دولت عالمی جنگ اوّل اور عالمی جنگ دوم میں فتح ممکن ہو سکی، اُسی نے عالمی جنگ سوم یعنی ویت نام کی بحرانی لڑائیوں میں سے ایک لڑائی میں امریکا کو ناکام بنا دیا۔ 'عظیم کاروبار' کے رہ نما کسی زمانے میں امریکی قوت کا امدادی بُرج تھے اُسی طرح جیسے کہ وہ سختی کے ساتھ آزاد خیال تھے۔ اب وہ بجز بعض قابل تحسین مستثنیات کے' بزدل ہو گئے ہیں' افسر شاہی کے کاموں میں خلل انداز ہونے اور صارفین کے ترجمانوں کو ناراض کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ چوں کہ بڑے بڑے کارپوریشن خود بڑی بڑی افسر شاہیاں بن گئی ہیں' اس لیے شراکتی اداروں کے رہ نما بھی افسر شاہی ہو گئے ہیں۔''[14]

یہ خیالات رچرڈ نکسن کے ہیں اور اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑا سیاست دان بھی فکری بحران میں مبتلا ہے اور وہ صرف اپنے نظریے کے مطابق عالمی حقائق کا تجزیہ کرتا ہے اور اس طرح ایک 'آفاقی' انسان گومگو میں پڑ کر سخت پریشان ہوتا ہوگا، کیوں کہ وہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ جاگیردارانہ نظام اچھا تھا یا سرمایہ دارانہ نظام بہتر ہے' کمیونزم صحیح ہے یا فاشزم مناسب ہے۔ ڈارون صحیح کہتا ہے یا فرائڈ کی بات قابل اعتنا ہے۔ بہ ہر حال یہ سب کچھ دین اور خدا سے واسطہ نہ ہونے یا بہت کم واسطہ ہونے کی وجہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-tehzeeb

سے ہے۔ دین کو چھٹی دے دینے سے مادیت نے وہ گل کھلائے ہیں کہ الامان الحفیظ۔ ماں باپ' بیٹا بیٹی' بھائی بہن، سب کے رشتے بہت کچھ تبدیل ہو چکے ہیں۔ تہذیبِ جدید والوں کی دنیا میں بوڑھے ماں باپ کو حکومت کی طرف سے جائے پناہ مل جاتی ہے، جہاں اُن کی اولاد سال چھے مہینے میں ایک آدھ مرتبہ سلام کرنے یا ہار پہنانے کے لیے آ جاتی ہے اور ماں باپ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے دیتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جوان باپ گھر میں تنہا ہے اور اُس کی بیوی اور نوجوان بیٹی رات بھر غائب ہے اور کبھی ماں گھر میں اکیلی ہے اور اُس کا شوہر اور بیٹا رات بھر رنگ رلیوں میں مصروف دوسری جگہ پڑا ہوا ہے۔ ایسے حالات میں خواب آور گولیوں کی ضرورت پڑتی ہے کہ کسی طرح تنہا شخص کو نیند تو آ جائے اور ان گولیوں کو خریدنے کے لیے دکانوں کے آگے قطار لگی ہوئی نظر آتی ہے۔ پھر جوان بیٹے اور بیٹی کو قانون نے ایسی آزادی دے دی ہے کہ ماں باپ کو کوئی حق نہیں کہ وہ اِن لوگوں کے رات بھر غائب رہنے کا سبب بھی پوچھ سکیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بالخصوص لڑکیاں اپنا مستقبل بنانے کے لیے اِس قدر گھر سے دُور ہو جاتی ہیں کہ بعض کی تو اُن کے مرنے کے بعد ہی اطلاع آتی ہے۔ اِس کے علاوہ ہر برائی کو قانونی تحفظ حاصل ہے۔ عریانی' بے حیائی' شراب خوری' ہر طرح کی بدکاری' جوا' سٹہ وغیرہ کون سی برائی ہے، جو اچھی نہ سمجھی جاتی ہو۔ اب تہذیبِ جدید کے گرفتار شدہ لیکن سنجیدہ لوگ اپنے اس معاشرے سے مایوس ہو کر کہنے لگے ہیں کہ ہم ان برائیوں میں اس قدر پھنس چکے ہیں کہ ان سے نکلنا ہمارے لیے مشکل ہو گیا ہے۔ چناں چہ اُن میں سے ہر شخص سکون کی تلاش میں ہے جسے وہ اپنے ہاتھوں کھو چکا ہے، لیکن یہ سکون سوائے اللہ سے رشتہ جوڑنے کے اور کہیں حاصل نہیں ہو سکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

'اَلَا بِذِکرِ اللّٰہِ تَطمَئِنُّ الْقُلُوبُ'، [15] ''جان لو کہ اللہ ہی کی یاد سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔''

بہ ہر حال' جو حقائق عرض کیے گئے وہ دین سے دُوری اور فکری بحران کے عواقب و نتائج ہیں۔ اردو کے بعض شعرا اور مصنفین نے بھی اسی بحران کو اپنانے کی کوشش کی ہے؛ بعض نے تو اس لیے کہ لوگ اُن کو 'جدید تعلیم یافتہ' سمجھنے لگیں؛ بعض کو 'جدیدیت' کا حظ حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اور بعض 'کرائے' کے بھی ہیں، بل کہ آج کل کی اصطلاح میں وہ 'بکاؤ مال' ہیں اور انھیں خود بھی معلوم نہیں کہ اس غلامانہ فکر کی منزل کیا ہے۔ ہمارے ادب میں ایسی کورانہ تقلید کرنے والے لوگ کئی زاویوں سے دین پر حملہ کرتے ہیں۔ یعنی ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو اپنے آقاؤں کی تقلید میں اور بغیر سمجھے ہوئے اسلام کو بھی عیسائیت کی طرح کم زور اور تاریک دَور کی خرافات کہتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو دین کو ایک وقتی چیز کہہ کر پس پشت ڈالنا چاہتے ہیں کہ اُس کی ضرورت کبھی تھی اور اب نہیں ہے۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو اسلام کا نام لیے بغیر' اسلام کی باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں تاکہ نوجوان طبقے کے دلوں میں دین کی وقعت نہ رہے۔ وہ اپنے ادب میں 'نقلی'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی کو ملک کی زندگی کہتے ہیں، لیکن وہ ہمارے ملک کی زندگی نہیں ہے؛ وہ اُن کے تخیل کی زندگی ہے۔ اُن کے ادب کو 'ادب برائے تہذیبِ جدید' تو کہہ سکتے ہیں 'ادب برائے پاکستان' نہیں کہہ سکتے اور اگر وہ اُسے 'ادب برائے عوام' کہتے ہیں تو مَیں بلاتردید خوف کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے عوام اُن کی طرح بے غیرت نہیں ہیں۔ ہمارے عوام بڑے بڑے بال رکھنے اور رنگین کپڑے پہننے کے باوجود آج بھی دین کی خاطر گولیاں کھانے میں پیش پیش ہیں۔

آیئے اب اِس 'تہذیبِ جدید' کے مقلدین کے ادب کا ایک اجمالی جائزہ بھی لے لیں:

1935ء میں حقیقت نگاری کے نام پر اُردو میں عریانی اور بے حیائی کا آغاز ہوا اور اُس کا نام ترقی پسند ادب رکھا گیا۔ اس تحریک کی ابتدا سجاد ظہیر، احمد علی اور ڈاکٹر رشید جہاں نے کی اور 'انگارے' کے نام سے افسانوں کا ایک مجموعہ شائع کیا، جس میں دین اور اخلاق پر حملے کیے گئے اور اشتراکی نظریات کی تبلیغ کی گئی۔ پھر 1936ء میں 'انجمن ترقی پسند مصنفین' کی بنیاد پڑی اور اُس کے اراکین نے اُسی مقصد کے پیشِ نظر اور 'حقیقت نگاری' کا لبادہ اوڑھ کر دین، اخلاق، تہذیب اور اُن کی اقدار کو لغو قرار دیا، بل کہ محض جہالت اور اوہام پرستی کہا۔ مادہ کو اصل کہا، روح اور خدا کا انکار کیا اور اُس نظریے کی اِس طرح تاویل کی کہ مادی ارتقا ہی میں احساس، شعور، عقل اور ضمیر کی تخلیق ہوتی ہے اور دین محض فریبِ تخیل ہے اور استحصالی طبقوں کا آلہ کار ہے اور ''ہر دَور کا معاشی نظام ہی اُس دَور کے سماجی نظام کو متعین کرتا ہے۔''[16] اُسی کے ساتھ جب Freud کے نظریات بھی شامل ہو گئے، تو اب نفسیاتی ماحول اور سماجی تربیت کا مرکز روٹی کے بجائے جنسیت قرار پایا۔ فرائڈ کے نزدیک 'انسانیت دوستی' دراصل اُس تشنہ کام جنسی جذبے کے لیے ایک اعلیٰ راستہ نکالنے کی کوشش ہے، جو تسکین نہیں پاتا اور پاک عشق و محبت، محض فطری جنسی جذبے کو اخلاقی اور سماجی تصورات کے تحت کچل دینے والی بددیانتی اور خود فریبی کا عکس ہے۔ لہٰذا گناہ اور ثواب، نیکی اور بدی، پاکیزگی اور ناپاکی، عظمت اور پستی کا کوئی ایسا معیار قائم نہیں کیا جا سکتا، جو ہر حالت کے لیے صحیح قرار دیا جا سکے۔'' اس نظریے نے ترقی پسند ادب میں داخل ہو کر بے حیائی اور گندگی کو عام کر دیا اور ایسے افسانے اور نظمیں شروع ہوئیں، جن میں قوم کے فوجیوں اور کارخانے کے مزدوروں کی جنسی آسایش کے لیے لڑکیوں کا خود کو پیش کرنا فخر و مباہات سمجھا گیا۔ پھر تو اس ادب نے غلیظ سے غلیظ باتیں عام کر دیں۔ لیکن جب اس جنسی انارکی کے خلاف اہلِ علم حضرات کا شدید ردِّ عمل ہوا، تو ترقی پسند مصنفین نے محض فریب دینے کے لیے 1949ء میں ایک قرارداد منظور کی کہ ''ہم اس جنسی انارکی کے خلاف ہیں''، لیکن باتیں کچھ ہوتی ہیں اور عمل کچھ ہوتا ہے اور اس قول و فعل میں کوئی فرق کبھی نظر نہیں آیا۔

ترقی پسند ادب کو ایک 'چودھری' کی ضرورت تھی۔ جوشؔ اس منصب کے لیے بہت مناسب قرار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-tehzeeb

دیے گئے، چناں چہ انھوں نے اپنے مجموعہ 'عرش وفرش' میں جو 1930ء سے 1943ء تک کے کلام پر مشتمل ہے، یہ رُباعی شروع ہی میں لکھی ہے:

ممنوع شجر سے لطف پیہم لینے
عصیاں کی گھنی چھاؤں میں پھر دم لینے
آواز دو کاشمیر آ پہنچا جوشؔ
اللہ سے انتقامِ آدم لینے[17]

ظاہر ہے کہ جس کلام کی ابتدا ایسی ہو وہ کلام کیسا ہوگا۔ کفر والحاد اور فسق وفجور کے پھیلانے اور بے حیائی کو عام کرنے میں جو کارنامے جوشؔ نے انجام دیے ہیں، وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔ مارکس والی جماعت سے جو کچھ انھیں حاصل ہوا، اُس کے شکریے میں فرماتے ہیں:

السلام اے مارکس' اے دانائے راز
اے مریض انسانیت کے چارہ ساز

مارکس کو پھر حضرت امام حسینؓ کا 'ہم دم' بھی بنایا۔ فرماتے ہیں:

ہمدمِ شبیرؑ و بدخواہِ یزید — موسیِ نو بہر فرعونِ جدید
اے عدوے نوریانِ شعلہ خُو — اے انیس خاکیانِ مُردہ رُو
منکر وارائِ عرشِ بریں — اوّلیں پیغمبر فرشِ زمیں[18]

پھر اُنھیں اشتراکیت کی 'روٹی' میں کچھ زیادہ لذت محسوس ہوئی، تو خدا کو اپنے سے بھی چھوٹا قرار دے دیا۔ لکھتے ہیں:

لیتا ہے جو انتقام' کھوٹا ہے خدا
جس میں سونا نہیں شامل وہ گوٹا ہے خدا
شبیر حسن خاں نہیں لیتے بدلہ
شبیر حسن خاں سے بھی چھوٹا ہے خدا[19]

چناں چہ ایسے 'بڑے' آدمی کی کتاب 'یادوں کی بارات' بے حیائی کا شاہ کار ہے اور نوجوانوں کو بہت پسند ہے۔ لیکن ابھی اپنے مرنے سے پہلے کسی مصلحت کی بنا پر جوشؔ نے سورۃ الرحمٰن کی بعض نعمتوں کو نظم کیا ہے۔ پہلا بند یہ ہے:

اے فنا انجام انساں کب تجھے ہوش آئے گا
تیرگی میں ٹھوکریں آخر کہاں تک کھائے گا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس تمرّد کی روش سے بھی کبھی شرمائے گا
کیا کرے گا سامنے سے جب حجاب اُٹھ جائے گا
کب تک آخر اپنے ربّ کی نعمتیں جھٹلائے گا [20]

نوجوانوں کو بے حجاب بنانے میں دوسرے کام یاب شاعر اختر شیرانی (م1948ء) ہیں۔ وہ عشق اور رومان کے شاعر ہیں۔ سلمیٰ، عذرا، ریحانہ وغیرہ اُن کی شاعری کا موضوع ہیں اور اُن سے اپنے عشق کا وہ برملا اظہار کرتے ہیں، لیکن اُس میں جوشؔ کی طرح 'جنسی وحشت' نہیں ہے۔ تاہم وہ ناجائز معاشقے پر مبنی ہے، جو اختؔر کو دنیا اور مافیہا سے بے خبر کر دیتا ہے۔ وہ بھی غالبؔ سے زیادہ لیکن جوشؔ کی طرح 'اِک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے' کے قائل ہیں۔ انھیں بہت دُکھ پہنچتا ہے، جب اُن کی کوئی خیالی محبوبہ شادی کر لیتی ہے۔ فرماتے ہیں: ؎

ہوس آلودہ ہوئی پاک جوانی تیری
غیر کی رات ہے اب اور کہانی تیری [21]

اس نظم کے اشعار ایک تُرک افسانہ نگار سامی بِک سے ماخوذ ہیں، جو کہتا ہے کہ ''شادی ایک جائز گناہ کا نام ہے اور گناہ' گناہ برابر ہیں.....'' [22]

لیکن جوشؔ کی چودھراہٹ کے باوجود ترقی پسند شعرا میں فیضؔ سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔ اُنھیں اشتراکیت سے وفاداری کی بنا پر 'لینن کا امن انعام' جب سے ملا ہے، اُن کو اور اُن کے مداحوں کو اُن کے 'عظیم' ہونے کا شدید احساس ہو گیا ہے۔ [23] ایک مرتبہ حکومت نے اُن پر پابندی عائد کر دی تھی، تو وہ چیخ اُٹھے تھے کہ:

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے
زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے [24]

لیکن اُنھیں شاید اپنے 'محسن' ملک کی پابندی یاد نہیں رہی، جہاں کوئی شخص اُس حکومت کے خلاف زبان بھی نہیں ہلا سکتا اور جہاں ذرا سے شک پر گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔

تاہم فیضؔ کے یہاں غزل کی روایات ہر جگہ غالب ہیں۔ رومان ہو یا انقلاب سے متعلق نظم ہو، یہ روایات ہمیشہ موجود ہیں۔ ایک نظم 'شورشِ زنجیر بسم اللہ' میں کہتے ہیں:

ستم کی داستاں، کشتہ دِلوں کا ماجرا کہیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-tehzeeb

جو زیرِ لب نہ کہتے تھے وہ سب کچھ برملا کہیے
مُصر ہے محتسب، رازِ شہیدانِ وفا کہیے
لگی ہے حرفِ ناگفتہ پہ اب تعزیر بسم اللہ
سرِ مقتل چلو بے زحمتِ تقصیر بسم اللہ
ہوئی پھر امتحان عشق کی تدبیر بسم اللہ[25]

ترقی پسندی کی اصطلاح مارکس اور فرائڈ دونوں کے ماننے والوں پر صادق آتی ہے، خواہ انھیں دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

ترقی پسند شاعروں میں ن۔م۔ رشد، میراجی، مجاز، جاں نثار اختر، جذبی، ساحر، فکر تونسوی، مخمور جالندھری، احمد فراز، علی سردار جعفری وغیرہ نے بڑے جوہر دکھائے ہیں۔ ن۔م۔ راشد تو فکر و عمل دونوں میں پوری آزادی چاہتے ہیں۔ عورت، جنس اور شراب میں سکون تلاش کرتے تھے اور دین سے اس قدر بے زار تھے کہ وہ کافرانہ 'کریا کرم' کے لیے وصیت بھی کر گئے۔[26]

میراجی بھی فرائڈ کی امت میں تھے۔ سلام مچھلی شہری، مختار صدیقی، شریف کنجاہی وغیرہ سے بھی زیادہ انھوں نے جنسیت کی کیچڑ کو اچھالا، لیکن ایک سنجیدہ شخص نے میراجی کے متعلق نہایت غیر سنجیدہ بات اس طرح کہی ہے کہ:

''اپنے زمانے کے مخصوص آدمی کی تمام شکلیں دیکھنے اور پھر انھیں اپنے پورے آدمی کے معیار پر پرکھنے کی جیسی صلاحیت میراجی میں تھی، اُن کے زمانے میں کسی شاعر میں نہ تھی۔''[27]

خدا جانے یہ 'پورا آدمی' کیا تھا، جب کہ میراجی کی شاعری میں انتہائی عریانی، فحاشی اور جنسی بے راہ روی ہی کارفرما ہے کہ یہاں ایسی شاعری کی مثالیں دینا بھی غیر مناسب ہے۔

مجاز کے مجموعہ 'آہنگ' کے دیباچے میں فیض نے لکھا ہے کہ ''میں سمجھتا ہوں کہ مجاز کی 'خوابِ سحر' اور 'نوجوان خاتون سے خطاب' اِس دَور کی سب سے مکمل اور کامیاب ترقی پسند نظموں میں سے ہیں'' اور خود مجاز اپنی نظم 'خوابِ سحر' میں لکھتے ہیں کہ:

''اگرچہ ایک نہ ایک مذہب تاریخ انسانی کے ہر دَور میں انسان کی اصلاح کی کوشش کرتا رہا، لیکن اس کی حیثیت سعیِ خام سے زیادہ نہیں تھی..... انسانی تاریخ کی اس طویل اندھیری رات میں آج پہلے پہل انسان نے خوابِ سحر (اشتراکیت) دیکھا ہے۔''

لیکن معلوم نہیں، مجاز کو اس خواب کی تعبیر اور اس اشتراکیت کی عملی تصویر بھی کبھی دیکھنی نصیب ہوئی یا انھوں نے محض فیشن کی خاطر اس خواب کو صحیح سمجھ لیا۔ بہ ہر حال مجاز نے اپنے اسی خیال کو اس نظم 'خوابِ سحر' میں پیش کیا ہے۔ نظم اس طرح شروع ہوتی ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہر صدیوں سے چمکتا ہی رہا افلاک پر
رات ہی طاری رہی انسان کے ادراک پر

اور ختم اس طرح ہوتی ہے:

ذہن انسانی نے اب اوہام کے ظلمات میں
زندگی کی سخت طوفانی اندھیری رات میں
کچھ نہیں تو کم سے کم خوابِ سحر دیکھا تو ہے
جس طرف دیکھا نہ تھا اب تک اُدھر دیکھا تو ہے [28]

لیکن خواب دیکھ لینا اور اُس طرف کو جھانک لینا' انسانی زندگی کے لیے کافی نہیں۔ معاشی آزادی اور زبان وقلم یا فکر وعمل کی آزادی' اشتراکی ملکوں میں ہے یا نہیں' اُن کو قریب سے دیکھنے والے ہی جان سکتے ہیں، جب کہ وہاں کا ہر شخص اس قدر سخت گرفت میں قید ہے کہ وہ ذاتی آزادی کے لیے سوچ بھی نہیں سکتا۔

مجاز کی دوسری 'مکمل' اور 'کام یاب' نظم 'نوجوان خاتون سے خطاب' کہی گئی ہے۔ اس کے صرف دو شعر ملاحظہ ہوں: ؎

اگر خلوت میں تو نے سر اٹھایا بھی تو کیا حاصل
بھری محفل میں آ کر سر جھکا لیتی تو اچھا تھا
ترے ماتھے پہ یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن
تو اِس آنچل سے اِک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا [29]

'بھری محفل میں سر جھکا لینا' اور 'آنچل سے پرچم بنا لینا' ایسے نکتے ہیں جو مجاز یا فیض ہی سمجھ سکتے ہیں، دوسروں کی رسائی وہاں تک مشکل ہے۔ پھر یہ فیشن جب 'روٹی' کے سہارے مقبول ہوا، تو اِس دَور میں اُس نے کیسے کیسے گُل کھلائے؛ صرف ایک مثال عرض ہے:-

موجودہ بنگلہ دیش کے رنگ پور ضلع میں سید پور ایک مقام ہے، وہاں کا ایک کمیونسٹ لکھتا ہے:-

''اے میرے رب ماوزے تنگ!
ہم ماوزے تنگ کی اُمت آج اعلان کرتے ہیں کہ اگر کسی وقت تم مسلمانوں نے ہم لوگوں کے خلاف قدم اٹھایا کہ جس سے ہماری قوم اور ہمارے خدا ماوزے تنگ کی بدنامی ہوئی تو ہم اُس قدم کو کاٹ دیں گے اور ایک ایک گھر میں گھس کر تمھاری ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں کی بے حرمتی کریں گے.....'' [30]

یہ کمیونسٹوں کا عام مزاج ہے اور اُن کے غلام اُنھی کی 'روٹی' پر جیتے ہیں، لیکن ہمارے ایک لیڈر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-tehzeeb

نے بھی 27/اپریل 1969ء کو اپنے کارکنوں سے لاہور میں فرمایا تھا کہ:

''ہمیں پاکستان میں ایک مدت تک اسلام کا نقاب اوڑھ کر سوشلزم کے واسطے زمین ہموار کرنی ہوگی۔''[31]

گویا ہمارے بعض لیڈروں کے عزائم بھی 'سرخ' تھے، تو پھر ہمارا ادب کیوں نہ 'سرخ' ہوگا۔ چناں چہ اردو ناولوں اور افسانوں میں سے اکثر اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ بعض خالص تفریح کے لیے بھی تھے۔ ایم۔ اسلم اور رئیس احمد جعفری نے اخلاقی اور اصلاحی مقاصد کے لیے ناول لکھے، لیکن عام دل چسپی کی خاطر انھیں عشق و عاشقی میں ملوث کر دیا۔ اے۔ آر۔ خاتون کے ناول عموماً رومانی ہوتے ہیں اور وہ محض تفریح کے لیے لکھتی ہیں، لیکن ان کا ناول 'زیور' (دو حصوں میں) بہت قابل قدر تھا۔ اس میں مسلمان خواتین کی اصلاح کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ان کے بعض ناولوں (شمع' تصویر' ہالہ وغیرہ) میں معاشقوں کو معصوم بنا کر پیش کیا گیا ہے، تاہم اُن کے یہاں کسی طرح کی عریانی اور بے حیائی نہیں ہے۔ شوکت تھانوی نے سراسر تفریحی ناول لکھے ہیں اور انھیں ہنسی مذاق کا ذریعہ بنایا ہے، لیکن ان کے ہم نام شوکت صدیقی جو ناول اور افسانہ دونوں لکھتے ہیں' زیادہ تر انسان کے تاریک پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہیں۔ انھیں 'خدا کی بستی' ناول پر آدم جی پرائز ملا ہے۔ اس میں پاکستانی معاشرے کی صرف برائیوں کا ذکر ہے، جہاں روشنی کا نام نہیں۔

عصمت چغتائی کا رشتہ ترقی پسند مصنفین سے ہے۔ اُن کے ناول 'ٹیڑھی لکیر' میں ایک ایسی لڑکی کا ذکر ہے، جو بچپن میں والدین کی مناسب تربیت سے محروم رہی ہے اور اس کی شخصیت بکھر گئی ہے۔ پھر وہ نفسیاتی بھول بھلیوں میں گرفتار ہو کر گم راہ ہو جاتی ہے۔ عصمت کے دوسرے ناول اور افسانے اسی ترقی پسندی کی تبلیغ میں ہیں۔

قرۃ العین حیدر کے ناولوں کی تیکنک بہت پسند کی جاتی ہے۔ 'آگ کا دریا' اُن کا مشہور ناول[32] ہے جس میں ہندوستان کی ڈھائی ہزار سالہ تاریخ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ گوتم بدھ سے کہانی کا آغاز ہوتا ہے اور اُس زمانے کے علم و فن' تہذیب و تمدن اور معاش و معاشرت کا ذکر کرنے کے فوراً بعد مسلمانوں کا ذکر شروع کر دیا جاتا ہے۔ لیکن سلاطین دہلی کو کسی مصلحت کی بنا پر یک سر نظر انداز کر کے جون پور کے حسین شرقی سے مسلمانوں کی تاریخ شروع ہوتی ہے، جس میں جوگیوں' گیانیوں اور برہمنوں کے اثرات بتائے گئے ہیں۔ ابوالمنصور کمال الدین ایک مسلمان کردار ہے، جو ہندوؤں کا زیادہ قائل ہے۔ پھر انگریزوں کی آمد کا ذکر شروع ہو جاتا ہے اور اس کے بعد ہی لکھنؤ میں ہندو مسلمانوں کی باہمی محبت کے واقعات آ جاتے ہیں اور اسلام اور پاکستان کے خلاف خوب زہر اُگلا گیا ہے اور ایک سیاح کی زبانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں تک کہلا دیا ہے کہ ''مشرق کے زوال کا سبب اسلام ہے''۔ پھر ایک موقع پر یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ''ہر ایمان دار اور ضمیر پرست انسان' نیشنلسٹ ہوگا'' گویا در پردہ ہندوستان کی حمایت اور پاکستان کی مخالفت کی گئی ہے اور لطف یہ ہے کہ پاکستان میں بیٹھ کر یہ ناول لکھا ہے اور یہیں اس کی بڑی قدر کی گئی۔

ڈاکٹر احسن فاروقی نے بھی کئی ناول لکھے، لیکن وہ فکری بحران میں بہت مبتلا تھے۔ انھوں نے عجیب عجیب دعوے کیے تھے۔ مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ''شاید ہی اُردو کا کوئی ناول نگار مجھ سے زیادہ ناول کے فن سے کبھی واقف ہوا ہو۔''[33]

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ''ایک کام یاب ناول لکھ جانا پیغمبری کے درجے پر پہنچنے سے کم نہیں۔''[34]

پھر انھوں نے اپنے دل کی بات ایک جگہ اس طرح کہہ دی کہ ''جدید دَور میں نفسیات سے واقفیت نے یہ ظاہر کر دیا کہ اخلاقی معیار بالکل ڈھونگ ہیں اور افسانہ ناول اسی بنا پر کہلایا کہ اس میں اخلاق کو چھوڑ کر نفسیات پر زور دیا گیا ہے.....''[35] لیکن ہم کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے نفسیات سے زیادہ نفسانیت پر زور دیا ہے۔ تاہم نسیم حجازی' وحیدہ نسیم اور فضلی جیسے چند ناول نگار ضرور ایسے ہیں، جنھوں نے ایسی نفسانیت کے بجائے انسانیت کو قائم رکھا ہے اور دین و اخلاق ہی کو اپنے فن کی اساس قرار دیا ہے۔

فکری بحران کے شکار ایسے ادیب اور افسانہ نگار بھی تھے جو 'ادبِ لطیف' کے نام سے فرائڈ کی یاد تازہ کر رہے تھے۔ لیکن اُن کے ادب کی یہ 'لطافت' 1935ء میں 'کثافت' میں تبدیل ہوگئی تھی، جب کہ احمد علی' سجاد ظہیر اور ڈاکٹر رشید جہاں نے دین اور اخلاق کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر کے 'انگارے' پھانکے اور ہر چیز کو مادی حقیقت میں دیکھنے کی تبلیغ کی۔ دوسرے سال 'انجمن ترقی پسند مصنفین' کی بنیاد پڑی اور ان مصنفین میں کرشن چندر' اوپندر ناتھ اشک' سعادت حسن منٹو' عصمت چغتائی' راجندر سنگھ بیدی' حیات اللہ انصاری' خواجہ احمد عباس' غلام عباس وغیرہ نے نمایاں کردار ادا کیا اور 'حقیقت نگاری' کے جوش میں تمام روایات اور پرانی اقدار سے بغاوت کر کے دین' اخلاق' مروّت' تہذیب' شرافت وغیرہ کو لغویات اور اوہام قرار دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ سب بورژواؤں کی ایجاد کردہ اقدار ہیں، بل کہ پرولتاریوں (مظلوم طبقے) کے خلاف 'سازشیں' ہیں۔ ایسے 'حقیقت نگاروں' میں پھر کسی نہ کسی صورت میں احمد ندیم قاسمی' عزیز احمد' مہندر ناتھ' عادل رشید' ابراہیم جلیس' ہاجرہ مسرور' خدیجہ مستور' بلونت سنگھ' رضیہ سجاد ظہیر' شوکت صدیقی جیسے اور لوگ بھی شامل ہوگئے اور 'جدیدیت' کی لذت حاصل کرنے لگے۔

تاہم اللہ پاک کا بڑا احسان ہے کہ ہمارے ملک میں بے حیائی کی تبلیغ اور دین سے دُوری پیدا کرنے کا رجحان کچھ برسوں سے کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ کوئی ادیب' شاعر یا افسانہ نگار کھلم کھلا دین کا استخفاف نہیں کرتا' البتہ یہ کام کسی حد تک ادب کے بجائے ذرائع ابلاغ نے اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-tehzeeb

ذمے لے لیا ہے اور تہذیبِ جدید کے فکری بحران کو پروان چڑھانے میں ریڈیو، ٹی وی، فلمی رسالوں، فلمی اخباروں اور ڈائجسٹوں نے بڑا موثر کردار ادا کیا ہے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِسۡتَحۡوَذَ عَلَيۡهِمُ الشَّيۡطٰنُ فَاَنۡسٰهُمۡ ذِكۡرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزۡبُ الشَّيۡطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّيۡطٰنِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ. [36]

''شیطان نے اُن پر قابو پا لیا ہے۔ پس اُس نے اُن کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے، یہ شیطان کی جماعت ہے۔ یاد رکھو، شیطان کی جماعت ہی نقصان اُٹھانے والی ہے۔''

اس وعید کے بعد اِن ذرائع ابلاغ والوں کا جو حشر ہونا ہے، اُس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

وَ آخر دعوانا اَن الحمد للّٰہ رب العالمین.

کتابیات

اس موضوع کے سلسلے میں یہ کتابیں، رسالے اور مقالے مفید ہو سکتے ہیں:

1 آخرِ شب (کیفی اعظمی) کتب پبلشرز، بمبئی

2 آزادی کا ادب (جلد اوّل) مرتبہ: گوپال متل (نثر و نظم)

3 ادب کی آڑ میں (رشید احمد لاشاری) کراچی، جون 1965ء

4 اردو ادب اور اسلام (پروفیسر ہارون الرشید) لاہور، حصہ اوّل: نومبر 1968ء، حصہ دوم: فروری 1970ء

5 اردو ادب کے رجحانات پر ایک نظر (ڈاکٹر عبدالعلیم) آزاد کتاب گھر، دہلی

6 انگارے (احمد علی، سجاد ظہیر، ڈاکٹر رشید جہان) یونائیٹڈ انڈیا پریس، لکھنؤ 1935ء

7 پُرانے خدا (کرشن چندر) مکتبہ اردو، لاہور

8 پرچم (سبطِ حسن) لکھنؤ، 1929ء

9 ترقی پسند ادب (عزیز احمد) ادارۂ اشاعتِ اردو، حیدر آباد دکن، نیا اڈیشن، دہلی 1979ء

10 ترقی پسند ادب (سردار جعفری) انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ

11 ترقی پسند تحریک (ڈاکٹر وحید قریشی) 22 قسطیں، ہفتہ وار 'زندگی'، لاہور میں شائع ہوئیں۔ 15 دسمبر 1969ء تا 18 مئی 1970ء

12 تلخیاں (ساحر لدھیانوی) حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی

13 چراغِ راہ (ماہ نامہ) کراچی (آزادی نمبر وغیرہ) خصوصاً 'آگ کا دریا' اور 'خدا کی بستی' پر محمود فاروقی وغیرہ کے مفصل تبصرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

14 خدا کی بستی (شوکت صدیقی) کراچی وغیرہ سے شائع ہوئی۔ ٹی وی پر ڈرامائی تشکیل کی گئی۔
15 روشنائی (سجاد ظہیر) لاہور اور کراچی، 1977ء
16 شاہراہ (ساحر لدھیانوی وغیرہ) دہلی، 1948ء تا 1957ء
17 عظمتِ آدم (ظہیر کاشمیری) نیا ادارہ، لاہور
18 عورت اور دیگر افسانے (ڈاکٹر رشید جہاں) ہاشمی بک ڈپو، لاہور اور مکتبہ جامعہ، 1979ء
19 قومی جنگ (بمبئی) مدیر سجاد ظہیر، 1942ء تا 1943ء
20 گفتگو (رسالہ) ترقی پسند ادب نمبر، بمبئی، مرتبہ: سردار جعفری، جلد اوّل، مارچ 1980ء
21 لندن کی ایک رات (سجاد ظہیر) نیا ادارہ، لاہور
22 ماورا (ن۔م۔راشد) نیا ادارہ، لاہور
23 محاذ (رسالہ) بمبئی، مدیر: رفیق گوالیاری، 1949ء تا 1950ء
24 من آنم (فراق گورکھپوری) ادارۂ فروغِ اردو، لاہور
25 نظام (بمبئی) قدوس صہبائی، 1946ء تا 1947ء
26 نیا ادب (کشن پرشاد کول) انجمن ترقی اردو، کراچی
27 نیا ادب (ماہ نامہ) لکھنؤ، مدیر: سبطِ حسن
28 نیا ادب (ماہ نامہ) لکھنؤ، مدیر: سردار جعفری
29 نیا ادب کیا ہے؟ ماہ نامہ نیا ادب کا خاص نمبر
30 نیا ادب میری نظر میں (مجموعہ مضامین) دہلی، 1944ء
31 نئی دنیا کو سلام (طویل منظومات وغیرہ) مرتبہ: سردار جعفری، کتب پبلشرز، بمبئی
32 نیا زمانہ (بمبئی) مدیر: سجاد ظہیر، 1944ء۔1945ء
33 نئے ادبی رجحانات (ڈاکٹر اعجاز حسین) ادارۂ اشاعتِ اردو، حیدر آباد، دکن
34 یادوں کی بارات (جوشؔ ملیح آبادی) کراچی، 1970ء
35 یہ کس کا خون ہے؟ سردار جعفری، کتاب گھر، حیدر آباد دکن، ان کے علاوہ:-

(الف) جوشؔ اور احمد فرازؔ کے منظومات ہیں۔

(ب) اردو ڈائجسٹ، لاہور میں ایک مرتبہ الطاف حسن قریشی نے شیخ ایاز وغیرہ کی کتابوں اور تحریروں کا جائزہ لیا تھا۔ شیخ ایاز کی ایک کتاب رائٹرز گلڈ نے شائع کی تھی، وہ زیر بحث تھی۔

(ج) نقوش، لاہور میں 1950ء تا 1955ء کے دوران اسلامی ادب کی مخالفت کی بحث شائع ہوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-tehzeeb

تھی۔

(د) نقوش، لاہور کے افسانہ نمبر، 1956ء (دو جلد) میں ترقی پسند افسانوں کے خلاصے اور اقتباسات شامل ہیں۔

(ہ) ڈاکٹر احسن فاروقی نے شاہد احمد دہلوی کے انتقال کے بعد اُن کے رسالے ساقی میں ایک افسانہ 'چار درویش' شائع کیا، جس میں خلفائے ثلاثہ پر تبّرا کیا تھا۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے صدق جدید میں اس کی نشان دہی کی، تو اس نمبر کو ضائع کر دیا گیا۔

(و) مولوی عبدالحق نے 'چند ہم عصر' میں نام دیو مالی کے سلسلے میں لکھا ہے: ''حساب کے دن جب اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی، خدا یہ نہیں پوچھے گا کہ تو نے کتنی اور کس کی پوجا پاٹ یا عبادت کی؟ وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں۔ وہ پوچھے گا تو یہ پوچھے گا کہ میں نے جو استعداد تجھ میں ودیعت کی تھی، اسے کمال تک پہنچانے اور اُس سے کام لینے میں تو نے کیا کیا اور خلق اللہ کو اُس سے کیا فائدہ پہنچا؟ اگر نیکی اور بڑائی کا یہ معیار ہے، تو نام دیو نیک بھی تھا اور بڑا بھی۔''

حواشی

1 متّی باب ۵

2 اقبال نے روس کی سویت (مساوی حقوق کے ظاہری دعوے) کے متعلق کہ ہے

جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اِس دَور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

سورۃ البقرۃ (۲۱۹) میں ہے: **ویسئلونك ماذا ینفقون قل العفو** ۔ اور لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیں کہ جو کچھ ضرورت سے بڑھ رہے۔ یعنی خالص ضرورت سے جو کچھ زیادہ ہو وہ سب دوسروں کے لیے خرچ کیا جائے۔

3 ۱۸۴۸ء میں کارل مارکس کا مرتب کردہ ''کمیونسٹ مینی فسٹو'' Communist Manifesto شائع ہوا جو آج تک اس جماعت کا لائحہ عمل بنا ہوا ہے۔ اس وقت سے یہ جماعت Communist کہلائی اور اس سے پہلے کی جماعتیں سوشلسٹ Socialist کہلاتی تھیں۔

4 اقبال، ضربِ کلیم مشمولۂ کلیاتِ اقبال (اردو) ناشر: شفیق ناز، الحمرا پبلشنگ، اسلام آباد، جولائی 2004ء، ص: 770

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5 فرائڈ، freud The ego and the ID

"The Origine of Paychoanalysis" A General Selection from works sigmand freud. Edited Rick man.

ناشر: کتابستان، الٰہ آباد: صفحات 47-45

6 سورۃ بنی اسرائیل: آیت 70

7 اقبال۔ کلیاتِ اقبال (اردو) ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور صفحہ 715

8 سورۃ النحل: آیت 75

9 مزدک نیشاپور کا ایک شخص تھا، جو نوشیرواں کے باپ کے زمانے میں تھا۔ مال اور عورتوں کو چھین لینے کی تعلیم دیتا تھا اور وہ اُسے مساوات کہتا تھا۔ نوجوانوں نے اس تعلیم میں بڑی کشش اور لذت محسوس کی اور اس کی جماعت میں شریک ہو گئے۔ پھر نوشیرواں نے اس کو 80 ہزار متبعین کو قتل کرا دیا۔

10 غالبؔ، دیوانِ غالب، مرتبہ: غلام رسول مہر، ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور: ص 179

11 Richard Nixon, "The Real War" Warner Books Inc, New York, (1980) P 239 بہ حوالہ ذیل

Harry R. Davis and Robert C. Good eds, "Reinhold Niebuhr on Politics" (New York: Charles Scribner's Sons. 1960), p:34

12 Richard Nixon, "The Real War" Warner Books Inc, New York, (1980) 239-240 محولہ بالا، ص:

13 ایضاً ص: 240، بہ حوالہ ذیل:

William Pfaff, "On the passing of a Grand Illusion", "Los Angelis Times", March 25, 1979

Harry M. Geduld, ed, "The Rationalisation of Russia" by George Bernard Shaw (Bloomington Indiana University Press, 1964), PP.30,31

14 "The Real War" Richard Nixon, محولہ بالا، ص:245

15 سورۃ الرعد 28:13

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

nz-tehzeeb

16 فرائڈ، A General Selection from works of Sigmand Freud. کتابستان، الہ آباد، ص:84و131

17 جوش ملیح آبادی، عرش وفرش، کتب خانہ تاج آفس، محمد علی روڈ، بمبئی، طبع دوم، ص:197

18 ایضاً، ص:185-190

19 یہ رُباعی جوشؔ کے زیرِنظر مجموعوں میں جستجو کے باوجود نظر نہیں آئی، مگر بہت مشہور ہے اور بہت سے لوگوں نے ان کی زبانی سنی ہے۔(ادارہ)

20 رسالہ 'افکار' کراچی، فروری 1981ء

21 صبح بہار، کتاب منزل، لاہور، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص:131

22 ڈاکٹر یونس حسن نے رسالہ 'اردو' کراچی کے شمارہ 4، 1972، ص:13-12 پر اس کی تفصیل دی ہے۔

23 فیض کے بعض مداحین ان کو امیر خسرو کے بعد آخری 'عظیم شاعر' سمجھنے لگے ہیں۔

24 فیض احمد فیضؔ، دستِ صبا، قومی دارالاشاعت، لاہور، ص:12

25 ایضاً، ص:13

26 یعنی جلانے کے لیے؛ ان کی یہ وصیت ان کی وفات کی خبر کے ساتھ اکثر اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔

27 سلیم احمد، 'نئی نظم اور پورا آدمی' ص:51

28 مجازؔ، 'آہنگ' مرتبہ: نذیر احمد چودھری، نیا ادارہ، سویرا آرٹ پریس، لاہور، دیباچہ از فیض، ص:14؛ خوابِ سحر، ص:107

29 جاں نثار اختر بھی 'نوجوان عورت سے خطاب' کرتے ہیں اور اسے چلمن، برقع، حجاب وغیرہ سے آزاد کرانا چاہتے ہیں:

اب تو محمل سے نکلنا ہے تجھے
رنگ مقتل کو بدلنا ہے تجھے
وقت کی رو میں مچلنا ہے تجھے
تو بھی اب جاگ، زمانہ جاگا

حواشی 30 سے 35 کے حوالے اصل کتاب میں موجود نہیں ہیں۔

36 المجادلۃ 19:58

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماہنامہ

الاحیاء

اشاعتِ خاص

ختمِ نبوت اور تردیدِ قادیانیت

ادارہ علم وادب کی جانب سے 'ختم نبوت اور تردید قادیانیت' کے موضوع پر خصوصی شمارہ تکمیل کے حتمی مراحل میں ہے، جو جلد ہی اربابِ ذوق کی خدمت میں پیش کیا جائے گا؛ اس کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے:

عقیدۂ ختمِ نبوت

- عقیدۂ ختم نبوت کے عقلی ونقلی دلائل
- فلسفۂ ختم نبوت
- اربابِ استشراق اور اہل تجدد کی آرا کا ناقدانہ تجزیہ

قادیانیت
مطالعہ وتجزیہ

- متنبی ہند کے اخلاق وکردار
- حیاتِ مسیح کا مسئلہ
- قادیانیوں سے میل جول؛ شرعی رہ نمائی

تحفظِ ختمِ نبوت اور علمائے اہلِ حدیث

- تردید قادیانیت میں اہل حدیث کی اولیات
- تحریک ختم نبوت؛ علمائے اہل حدیث کے مساعی
- مقدمہ مرزائیہ بہاول پور؛ پس منظر ونتائج

قادیانیت
عہدِ حاضر میں

- قادیانی مراکز
- رسائل وجرائد رٹی وی چینلز رویب سائٹس
- قادیانی مصنوعات/تجارتی ادارے

اشاریہ وفہارس

ختم نبوت پر علمائے اہل حدیث کی کتب، رسائل، مضامین کا تفصیلی اشاریہ وفہارس

پتا: الاحیاء ادارہ علم و ادب
کلیۃ القرآن الکریم والتربیۃ الاسلامیۃ
ادارۃ الاصلاح ٹرسٹ بونگہ بلوچاں، پھول نگر، قصور، پاکستان

ای میل info@alehyaa.org
ویب www.alehyaa.org

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

Quarterly

NAZRIYAT

Lahore

Street No. 1, Salman Park, Bank Stop,
17km, Ferozepur Road, Lahore.